قوموں کی اصلاح نوجوانوں کی اصلاح کے بغیر نہیں ہو سکتی

ماہنامہ "خالد" ربوہ

حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز جلسہ سالانہ ۱۹۷۵ کے دوسرے روز اپنے دست مبارک سے مکرم منیر احمد صاحب خورشید قائد مجلس خدام الاحمدیہ سوسائٹی کراچی کو سال ۷۵-۱۹۷۴ کی کارکردگی میں اول آنے پر علم انعامی عطا فرما رہے ہیں۔

ایڈیٹر

مارچ 1976ء | نسیم مہدی | امان 1355 ہش

مجلس خدام الاحمدیہ ضلع لاہور کا سالانہ اجلاس عام
منعقدہ یکم فروری ۱۹۷۶ء

مکرم منور احمد صاحب جاوید قائد ضلع لاہور - محترم چوہدری محمد ظفر اللہ خانصاحب سابق صدر عالمی عدالت (ہیگ) - محترم مولانا دوست محمد صاحب شاہد (مؤرخ تاریخ احمدیت) اور محترم مولانا عبدالمالک خانصاحب ناظر اصلاح و ارشاد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

فاستبقوا الخیرات

"تیری عاجزانہ راہیں اُس کو پسند آئیں!" ——— (الہام حضرت مسیح موعودؑ)

"قوموں کی اصلاح نوجوانوں کی اصلاح کے بغیر نہیں ہو سکتی۔" (المصلح الموعودؓ)

مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ کا ترجمان

ماہنامہ

جلد : ۲۲

نمبر : ۵

خالد

ربوہ

مارچ ۱۹۸۶ء

امان ۱۳۶۵ ہش

(ایڈیٹر)

نسیم مہدی

نائبین :- طارق محمود طارق • حافظ مظفر احمد

ترتیب و تزئین :- مغفور احمد منیب

الفہرست

اداریہ

کلام الامام

تحقیقی مقالہ

شعر و ادب

تاریخ احمدیت کا ایک درخشندہ باب

سائنس کی دنیا

سوہنی دھرتی

ترکی کہانی

○

سفرنامہ

○

پبلشر : محمد شفیق قیصر ۔ پرنٹر : سید عبدالحی ۔ مطبع : ضیاء الاسلام پریس ربوہ

مقام اشاعت : دفتر ماہنامہ "خالد" دارالصدر جنوبی ۔ ربوہ

○

الشباب شعبة من الجنون

چند روز قبل حکومت سندھ کے ایک سیکرٹری کا یہ "محتاط" اندازہ اخبارات میں چھپا ہے کہ یونیورسٹیوں کے چالیس فیصد طلبہ منشیات کے استعمال کی لعنت میں گرفتار ہیں۔ اس پر تبصرہ کرتے ہوئے معاصر "لاہور" لکھتا ہے:-

"فی الحقیقت بات بہت آگے بڑھ چکی ہے اور منشیات کی یہ لعنت یونیورسٹیوں کی حدود پھلانگ کر کالجوں بلکہ سکولوں میں پہنچ چکی ہے اور اس میں نہ صرف طلبہ بلکہ اساتذہ اور پروفیسر صاحبان بھی ملوث ہیں۔ اعلیٰ تعلیمی درسگاہوں میں تربیت حاصل کرنے والوں کے بعض گروہوں کی زندگی اور جرائم پیشہ افراد کی زندگی میں کوئی فرق بھی باقی نہیں رہا۔"

(ہفت روزہ "لاہور" - ۲۶ جنوری ۱۹۷۶ء)

یہ تکلیف دہ صورت حال ہر محب وطن شہری کے لئے تشویشناک ہے لیکن بڑے افسوس سے لکھنا پڑتا ہے کہ ابھی تک ہمارے پیارے وطن میں کوئی مؤثر مہم اس مہلک رجحان کے خلاف نہیں چلائی گئی۔ شومیٔ تقدیر، منشیات کے استعمال کے ساتھ ساتھ آج کل کے نوجوان طبقہ میں مغرب کی اندھی تقلید کرتے ہوئے لچر اور فحش رسائل پڑھنے، جرائم اور مار دھاڑ سے بھرپور فلمیں دیکھنے اور عشقیہ گانے سننے کی رغبت روز بروز بڑھتی جا رہی ہے۔

جوانی کے ایام ایسے ہی ہیں جن میں قدرتی طور پر انسان کے اندر ایک جوش، ولولہ اور جنون موجود ہوتا ہے۔ اگر اس جوش کا دھارا نیکی اور بھلائی کی طرف موڑ دیا جائے تو قابلِ قدر اور مستحسن ہے اور اگر معاملہ اس کے برعکس ہو تو یہی جوش قابلِ نفرت اور مذموم ہو جاتا ہے۔

"**مجلس خدام الاحمدیہ**" نوجوانوں کی عالمگیر تنظیم ہے جس کا بنیادی مقصد نوجوانوں کی دینی اور روحانی

٭ الحدیث "کنوز الحقائق" از مولانا عبد الرؤف مناوی۔

تربیت ہے اس تنظیم کے بانی کا یہ ارشاد ایک محکم اور ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ : ـــــــ

"قوموں کی اصلاح نوجوانوں کی اصلاح کے بغیر نہیں ہو سکتی"

اس تنظیم کی شاخیں جہاں بھی قائم ہیں اس کے قائدین شب و روز قوم کے معماروں کی دینی اور روحانی تربیت کے لئے کمربستہ رہتے ہیں۔ مرکزی طور پر بھی وقتاً فوقتاً ایسے پروگرام ترتیب دیئے جاتے ہیں جن کا مقصد احمدی نوجوانوں کو "اسلامی سیرت کا ٹھیٹھ نمونہ" بنانے کی بھرپور سعی کرنا ہوتا ہے۔

اسی سلسلہ میں مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ، ربوہ میں "سالانہ اجتماع" اور "تربیتی کلاس" کا اہتمام کرتی ہے۔ انشاء اللہ العزیز ۱۶ر اپریل سے ۲۹ر اپریل تک مرکزِ احمدیت میں تربیتی کلاس منعقد ہوگی اور اسی دوران میں ۱۸ر اپریل کو ایک روز کے لئے سالانہ اجتماع کا انعقاد ہوگا ــــــ قرآن کریم نے مومنوں کے بارے میں یہ ارشاد فرمایا ہے کہ اگر انہیں بار بار نصیحت کی جائے تو اس سے انہیں فائدہ ہوتا ہے۔ چنانچہ ان ہر دو مواقع پر نوجوانانِ احمدیت کے لئے پندونصائح کے مواقع فراہم کئے جاتے ہیں۔ روزانہ نمازِ تہجد کا اہتمام، پنجگانہ نماز باجماعت کا التزام اور درس القرآن والحدیث کے انتظام کے علاوہ علماء کی علمی، معلوماتی اور تربیتی تقاریر سے طلبہ مستفید ہوتے اور اپنی جھولیاں علم و عرفان سے بھرتے ہیں۔

یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ نوجوانانِ احمدیت میں سے ننانوے فیصد قرآن، قال اللہ اور قال الرسول (صلی اللہ علیہ وسلم) پر عمل کرنے کے لئے کوشاں رہتے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود ہمارا فرض ہے کہ ہم کسی موقع پر بھی مطمئن نہ ہوں بلکہ علم و معرفت میں مزید ترقی کے لئے ہر وقت کوشاں رہیں۔

ہم تمام قارئین سے اپیل کرتے ہیں کہ وہ ان مواقع سے پوری طرح استفادہ کرنے کا عزم کریں۔ اور اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کرتے رہیں کہ اے اللہ! تُو نے جو جوش ہمیں جوانی میں عطا فرمایا ہے وہ اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے صَرف ہو اور ہم ہمیشہ ہوش کا دامن تھامے ہوئے پورے جوش سے اسلام و احمدیت کا عَلَم ساری دنیا میں بلند کرنے والے بنیں ــــــ (آمین!)

نسیم سیفی
۳/۲/۱۹۷۶

انشاء اللہ العزیز: سالانہ گھوڑدوڑ ٹورنامنٹ ربوہ میں ۱۲، ۱۳، ۱۴ر مارچ کو منعقد ہوگا۔ (سیکرٹری ٹورنامنٹ)

عدو جب بڑھ گیا شور و فغاں میں

حضرت مسیح موعود علیہ السلام

عدو جب بڑھ گیا شور و فغاں میں　　نہاں ہم ہو گئے یارِ نہاں میں
ہوا مجھ پر وہ ظاہر میرا ہادی　　فَسُبْحَانَ الَّذِیْ اَخْزَی الْاَعَادِیْ

کروں کیونکر ادا میں شکرِ باری　　فدا ہو اُس کی رہ میں عمر ساری
مرے سر پر ہے منت اُس کی بھاری　　چلی اُس ہاتھ سے کشتی ہماری
مری بگڑی ہوئی اُس نے بنا دی　　فَسُبْحَانَ الَّذِیْ اَخْزَی الْاَعَادِیْ

تجھے حمد و ثنا زیبا ہے پیارے　　کہ تُو نے کام سب میرے سنوارے
ترے احساں مرے سر پر ہیں بھارے　　چمکتے ہیں وہ سب جیسے ستارے
شریروں پر پڑے اُن کے شرارے　　نہ اُن سے رُک سکے مقصد ہمارے
انہیں ماتم ہمارے گھر میں شادی　　فَسُبْحَانَ الَّذِیْ اَخْزَی الْاَعَادِیْ

ایک قابلِ قدر تحقیقی مقالہ

قرآنِ کریم کی مختلف قرأتوں کا مسئلہ

○

از قلم

جناب پیر معین الدین۔ ربوہ

☆

قرآن کریم کی بعض آیات کی ایک سے زیادہ قراءتیں مروی ہیں اور نزولِ قرآن سے اب تک جتنی تفاسیر لکھی گئی ہیں اُن میں سے شاید ہی کوئی ایسی ہو جس میں مختلف قرأتوں کا ذکر نہ ہو یا ان سے کوئی استدلال نہ کیا گیا ہو۔ چونکہ مختلف قرأتوں کا وجود امتِ مُسلمہ میں ایک مسلّمہ امر ہے اس لئے حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ علیہ السلام نے اپنی کتاب براہین احمدیہ میں لکھا کہ:۔

"آپ لوگ کیوں قرآن کریم میں غور نہیں کرتے اور کیوں سوچنے کے وقت غلطی کھا جاتے ہیں اور کیا آپ صاحبوں کو خبر نہیں کہ صحیحین سے ثابت ہے کہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) اس امّت کے لئے بشارت دے چکے ہیں کہ اس امت میں بھی پہلی امتوں کی طرح محدّث پیدا ہوں گے اور محدّث بفتح دال وہ لوگ ہوں گے جن سے مکالمات ومخاطبات الٰہیہ ہوتے ہیں اور آپ کو معلوم ہے کہ ابن عباسؓ کی قرأت میں آیا ہے۔ وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ وَّلَا مُحَدَّثٍ اِلَّا اِذَا تَمَنّٰٓى اَلْقَى الشَّيْطَانُ فِيْٓ اُمْنِيَّتِهٖ فَيَنْسَخُ اللّٰهُ مَا يُلْقِي

الشَّيْطَانُ ثُمَّ يُحْكِمُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ

پس اس آیت کی رُو سے بھی جیسا کہ بخاری نے بھی لکھا ہے۔ مُحَدَّث کا الہام یقینی اور قطعی ہوتا ہے جس میں دخل شیطان کا قائم نہیں رہ سکتا۔"

اس پر پرویز صاحب نے جو "مفکرِ قرآن" کہلاتے ہیں طلوعِ اسلام کے جنوری اور مارچ ۷۴ء کے شماروں میں دو مقالے لکھے جن میں سے پہلے میں ایک لمبی تمہید کے بعد مختلف قراءتوں کے وجود کو "قرآن (یا دین) کے خلاف سازش" قرار دیا اور احمدی احباب سے پانچ معیّن سوال پوچھے۔ ان سوالوں کا جواب خاکسار کی طرف سے الفرقان کے اپریل ۷۴ء کے شمارہ میں شائع ہو چکا ہے۔ اپنے دوسرے مقالہ میں انہوں نے بعض آیات کی جو مختلف قراءتیں مروی ہیں اُن میں سے چند ایک پیش کر کے یہ پوچھا کہ یہ قراءتیں قراءتِ تفسیری کیسے ہو سکتی ہیں؟ اس جگہ دراصل ان کے اس دوسرے مقالہ ہی کا جواب مقصود ہے لیکن اپنے اس مضمون کو قریب الفہم بنانے کے لئے ہمیں اپنے پہلے مضمون کا کچھ حصہ بھی دوہرانا پڑے گا۔

مختلف قراءتوں کے وجود پر اعتراض کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ معترض نے یہ سمجھا ہے کہ اس سے قرآن میں اختلاف ثابت ہوتا ہے مگر یہ درست نہیں۔ اوّل اس لئے کہ دوسری قراءتوں کو کبھی بھی قرآنِ کریم کے متن میں شامل نہیں کیا گیا اور دوسرے اس لئے کہ جو واقعی دوسری قراءتیں ہیں یعنی خدا تعالیٰ کی طرف سے ہیں وہ قرآن کریم کے کسی مقام کے خلاف ہو ہی نہیں سکتیں۔ اور اگر کسی شخص کو کمی علم کی وجہ سے وہ خلافِ قرآن نظر آئیں تو اس میں قصور اسی کا اپنا ہے اور اس کی خاطر ہم ان قراءتوں کا انکار نہیں کر سکتے۔ کم سمجھ لوگوں نے تو اصل قرآن کریم کی بہت سی آیات کو بھی ایک دوسرے کے مخالف قرار دے کر ناسخ و منسوخ کا باب کھول رکھا ہے۔

اس جگہ یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ بعض آیات کی مختلف قراءتیں ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ آیات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر بتغیر الفاظ وحی ہوئی تھیں لیکن باایں ہمہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی ہی کے ذریعہ یہ بتا دیا جاتا تھا کہ ان میں سے کون سی قراءت کو شاملِ قرآن کروائیں اور کون سی قراءت کو شاملِ قرآن نہ کروائیں۔ اسی طرح جس طرح حضورؐ کو مختلف اوقات میں نازل ہونے والی آیاتِ قرآنی کے بارے میں بذریعہ وحی بتا دیا جاتا تھا۔ کہ ان کو قرآنِ کریم میں کس کس مقام پر رکھیں۔ علاوہ ازیں یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ مختلف قراءتوں کی ضرورت علاوہ تلفّظ کی سہولت پیدا کرنے کی غرض کے تین اغراض سے ہو سکتی تھی:-

(۱) کسی فوری یا وقتی ضرورت کو پورا کرنے کے لئے یا کوئی وقتی نوعیت کی ہدایت دینے کے لئے۔

(۲) کوئی زائد مفہوم پیدا کرنے کے لئے ـــــ قرآن سے زائد نہیں کیونکہ قرآن میں سب ہدایتیں اور تمام روحانی ضروریات کے پورا کرنے کا سامان پہلے ہی موجود ہے بلکہ اسی آیت سے زائد مفہوم پیدا کرنے کے لئے جس کی وہ دوسری قراءت ہو۔

(۳) کسی آیت کی تفسیر کے لئے

اس بات کا ثبوت کہ ایسی قراءتیں ہو سکتی تھیں جو

وقتی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے ہوں خود قرآن شریف سے ملتا ہے۔ یہ تو ظاہر ہے کہ قرآن کریم کا دعویٰ ہے کہ یہ کتابِ حکیم ہے اور اس میں کوئی ضروری بات بیان ہونے سے رہ نہیں گئی۔ لَا رَيْبَ فِيهِ (۲) مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ۔ لہٰذا یہ نہیں ہو سکتا تھا کہ کسی شخص کے کوئی سوال کرنے کی وجہ سے کوئی زائد از ضرورت بات اس میں بیان کر دی جاتی اور نہ یہ ہو سکتا تھا کہ اس وجہ سے کہ کسی نے سوال نہیں کیا کوئی ضروری بات نہ کی جاتی۔ مگر قرآن کریم کے ایک مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:۔

"يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْئَلُوْا
عَنْ اَشْيَآءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ
وَاِنْ تَسْئَلُوْا عَنْهَا حِيْنَ يُنَزَّلُ
الْقُرْاٰنُ تُبْدَ لَكُمْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهَا
وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ۝" (۵/۱۰۲)

اس میں بعض باتوں کے متعلق سوال کرنے سے منع بھی فرمایا ہے اور یہ بھی کہا ہے کہ اگر اس زمانہ میں کہ قرآن نازل ہو رہا ہے ان کے بارہ میں سوال کئے گئے تو ان کا جواب تم کو دے دیا جائے گا۔ ظاہر ہے کہ اس کی یہی صورت ہو سکتی تھی کہ وہ باتیں بعض آیتوں کی دوسری قرأت کے پیرایہ میں واضح کر دی جاتیں تاکہ وہ وقتی ضرورت بھی پوری ہو جاتی اور جن باتوں کا قرآن کریم میں (جو ایک ابدی ہدایت ہے) شامل نہ کیا جانا حکمتِ الٰہی کا تقاضا تھا۔ انہیں اس میں شامل بھی نہ کیا جاتا۔

[illegible] میں لکھا ہے کہ مختلف قرأتوں کی دوسری ضرورت یہ ہو سکتی تھی کہ کوئی زائد مفہوم پیدا کیا جائے۔ اس کی بھی ایک مثال پیش ہے۔ سورۃ "النور" میں ہے۔

"سُوْرَةٌ اَنْزَلْنٰهَا وَفَرَضْنٰهَا
...... الخ"

یہ سورۃ ہے جسے ہم نے نازل کیا اور ہم نے فرض کیا ......

اَنْزَلَ اور نَزَّلَ میں یہ فرق ہے کہ تَنْزِيْلٌ (نَزَّلَ) آہستہ آہستہ اتارنے کو کہتے ہیں اور اِنْزَالٌ میں یہ شرط نہیں ہوتی۔ اب اگر اس آیت میں اَنْزَلْنٰهَا کی جگہ نَزَّلْنٰهَا کے الفاظ رکھے جاتے تو اس سے پڑھنے والے کو یہ خیال ہو سکتا تھا کہ کسی سورۃ کی فرضیت کا تعلق اس کے آہستہ آہستہ نازل ہونے سے ہے حالانکہ یہ خیال غلط ہوتا کیونکہ قرآن کریم سارے کا سارا فرض ہے اور اس کی بہت سی سورتیں ایسی بھی ہیں جو آہستہ آہستہ نازل نہیں ہوئیں۔ اس لئے "نَزَّلْنٰهَا" کی جگہ "اَنْزَلْنٰهَا" فرمایا گیا۔ لیکن اس سورۃ کے بعض مضامین کو سمجھنے کے لئے یہ جاننا ضروری ہے کہ یہ سورۃ ساری کی ساری ایک ہی وقت میں نازل نہیں ہوئی اس لئے "وَفَرَضْنٰهَا" کی جگہ دوسری قرأت میں "وَفَرَّضْنٰهَا" کے الفاظ رکھ کر بتا دیا کہ یہ سورۃ آہستہ آہستہ اور ٹکڑے ٹکڑے کر کے نازل کی گئی ہے۔ پس دوسری قرأت نے ایک زائد مفہوم پیدا کر کے ایک اہم ضرورت کو پورا کر دیا۔ تاہم یہ زائد مفہوم صرف اس آیت کے مفہوم سے زائد ہے جس کی یہ دوسری قرأت ہے ورنہ قرآن کریم کے دوسرے مقامات سے یہ بات ویسے بھی ثابت ہے کہ قرآن کریم کے بعض حصے ٹکڑے ٹکڑے کر کے نازل ہوئے ہیں۔

تیسرے نمبر پر ہم نے یہ بیان کیا تھا کہ مختلف قرأتوں کی ایک ضرورت یہ ہو سکتی تھی کہ آیاتِ قرآنی کی

تفسیر کی جائے چنانچہ سورۃ الحج کی جس آیت کا اوپر ذکر آیا ہے اس کی دوسری قرأت جو "وَلَا مُحَدَّثٍ" کے اضافہ کے ساتھ ہے اسی غرض سے ہے اور اس کا سمجھنا چنداں مشکل نہیں۔

بات یہ ہے کہ رسول فرستادہ اور پیغامبر کو کہتے ہیں اور نبی کا لفظ "نَبَأ" سے ہے جس کے معنے عظیم الشان خبر کے ہیں اور اصطلاح میں نبی اسے کہتے ہیں جو خدا تعالےٰ سے عظیم الشان خبریں پا کر لوگوں تک پہنچانے پر مامور ہو چونکہ خدا تعالیٰ جس شخص کو اپنا مقام دے کر یعنی رسول بنا کر بھیجتا ہے اس کی صداقت پر گواہی دینے کے لئے اسے عظیم الشان امور غیبیہ پر اطلاع بھی بخشتا ہے اس لئے ہر رسول نبی ہوتا ہے اور چونکہ ہر وہ شخص جو خدا کا نبی ہو خدا کا پیغام بھی لوگوں تک پہنچاتا ہے اور اسی بات پر مامور ہوتا ہے اس لئے ہر نبی رسول بھی ہوتا ہے لیکن قرآن کریم سے ثابت ہے کہ خدا کی طرف سے لوگوں کی ہدایت پر مامور کیا جانے والا ہر شخص کوئی نیا پیغام نہیں لاتا۔ بعض نئی شریعت لاتے ہیں اور بعض سابق رسول کی لائی ہوئی شریعت یا کتاب ہی کو پیش کرتے ہیں۔ اور اس کی تعلیم کا احیاء ان کی ذمہ داری ہوتی ہے۔ اس لئے جب لفظ "رسول" اور لفظ "نبی" ایک دوسرے کے بالمقابل آئیں گے تو رسول سے نئی شریعت لانے والا نبی اور نبی سے پہلے رسول کی لائی ہوئی شریعت پیش کرنے والا رسول مراد ہوگا۔

اب ہم دیکھتے ہیں کہ سورۃ الحج کی زیر نظر آیت میں "وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ" فرمایا گیا ہے جس سے ظاہر ہے کہ ان دونوں لفظوں کو ایک ہی مفہوم میں استعمال نہیں کیا گیا اور ان سے ایک ہی وجود مراد نہیں لہٰذا سمجھنے والے تو سمجھ سکتے تھے کہ اس میں رسول سے نئی شریعت لانے والا نبی اور نبی سے پہلے سے موجود شریعت کو پیش کرنے والا رسول مراد ہے لیکن ہر کوئی اس بات کو سمجھ نہیں سکتا تھا۔ اس لئے اس آیت کی دوسری قرأت میں خدا تعالیٰ نے "وَلَا مُحَدَّثٍ" کا اضافہ کر کے "وَلَا نَبِيٍّ" کی تفسیر کر دی اور یہ بتا دیا کہ یہاں نبی سے صرف مُحَدَّث یعنی ایسا شخص مراد ہے جسے کثرت سے مکالمہ مخاطبہ الٰہیہ کا شرف حاصل ہو۔ کوئی نئی شریعت لانے والا شخص مراد نہیں۔

اپنے دوسرے مقالہ میں مکرم پرویز صاحب نے لکھا تھا کہ:۔

"رسم الخط کے اختلاف سے قطع نظر اختلاف قرأت کی دو شکلیں بتائی گئی ہیں (۱) آیات میں الفاظ کا اضافہ۔ (۲) الفاظ میں کمی۔"

اس کے بعد انہوں نے پہلے آیات میں الفاظ کی کمی کی تین مثالیں درج کی ہیں اور پھر لکھا ہے کہ:۔

"آیات میں الفاظ کے اضافہ کے متعلق تو آپ کہہ سکتے ہیں کہ یہ تفسیر (یا توضیح مطالب) کے لئے لکھ دیئے گئے ہیں لیکن جن آیات میں الفاظ کو حذف کر دیا گیا ہے۔ ان کے متعلق کیا کہیں گے؟ یا مثلاً اس اختلاف کے متعلق کہ مروجہ قرآن مجید

میں ہے۔ وَسَخَّرَ لَكُمُ اللَّيْلَ وَ
وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَ
النُّجُومُ مُسَخَّرَاتٌ بِأَمْرِهِ (۱۴/۱۲)
اور مصحفِ ابن مسعود میں ہے وسخر
لکم اللیل والنھار والشمس و
القمر والریاح بامرہ۔ کیا الریاح
(ہوائیں) النجوم (ستارے) کی تفسیر
قرار پا سکتی ہے؟"

اس ضمن میں جاننا چاہیئے کہ جس طرح ہم بلکہ خود
پرویز صاحب بھی احادیثِ نبویہ کی اہمیت و افادیت کے
قائل ہونے کے باوجود ان میں سے ہر ایک کو صحیح تسلیم نہیں
کرتے بلکہ بعض کو ضعیف اور بعض کو وضعی بھی سمجھتے ہیں
اسی طرح ہمارے مختلف قراءتوں کے وجود اور ان کی اہمیت
و افادیت کو تسلیم کرنے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ہم ان میں سے
ہر ایک کو درست تسلیم کرتے ہیں۔ اور جب ان میں سے بعض
وضعی بھی ہو سکتی ہیں تو ہم پر لازم نہیں آتا کہ ہم ہر دوسری
قراءت کی حکمت بیان کریں۔ تاہم ہم یہ ضرور کہیں گے کہ جن
قراءتوں کو پرویز صاحب نے اپنے موقف کی تائید میں خاص
طور پر منتخب فرمایا ہے وہ ضرور درست ہیں اور ہم خدا
تعالیٰ کے فضل سے ان کی حکمتیں بیان کر سکتے ہیں۔ چنانچہ
اسی غرض کے لئے ہم ان قراءتوں کو جس طرح پرویز صاحب
نے درج کیا ہے اسی طرح نمبروار ہی لے لیتے ہیں۔

پہلی مثال:

قرآن کریم میں ہے۔ فلا رفث ولا فسوق
ولا جدال فی الحج (۲/۱۹۸) اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ
کی روایت میں جو اس کی دوسری قراءت آتی ہے وہ یہ ہے
"فلا رفث ولا جدال فی الحج" یعنی اس میں وَلَا
فُسُوقَ کے الفاظ نہیں ہیں۔

اس کے متعلق جاننا چاہیئے کہ قرآن کریم کا یہ طریق
ہے (اور سارے قرآن میں اس کا التزام ہے) کہ جب وہ
نیکیوں کی تلقین فرماتا ہے تو پہلے چھوٹی پھر اس سے بڑی
اور پھر اس سے بڑی نیکی کا حکم دیتا ہے اور جب بدیوں سے
روکتا ہے تو پہلے سب سے بڑی بدی پھر اس سے چھوٹی اور
آخر میں سب سے چھوٹی بدی کے ترک کرنے کا حکم دیتا ہے کیونکہ
حکمت اس کی متقاضی ہے کہ پرہیز کرنے میں سب سے زیادہ
مضر چیز سے شروع کیا جائے اور طاقت بخشی ورزشیں
بتانے میں ہلکی ترین ورزش سے آغاز کروایا جائے پس اس
آیت میں "ولا فسوق" کو "فلا رفث" کے بعد رکھ کر
تو یہ اشارہ کیا کہ اس میں ترکِ بدی میں ترقی کرنے یعنی کم تر
بدی کو ترک کرنے کی تلقین ہے اور اس آیت کی دوسری
قراءت میں ولا فسوق کو حذف کر کے یہ اشارہ کیا کہ اس
آیت میں فسق سے رفث ہی کی ایک قسم مراد ہے۔

اب ہم دیکھتے ہیں کہ لغوی طور پر رفث کا لفظ ان
تمام فحش باتوں کے لئے آتا ہے جن میں جنسی میلان پایا
جائے اور جو جنسی ملاپ کی طرف داعی ہوں اور اس کے معنے مباشرت
بھی ہیں۔ حج کے وقت مردوں اور عورتوں کا ایک جم غفیر
ہوتا ہے اور عورتیں پردہ میں بھی نہیں ہوتیں اور ایسے میں
اس بات کا امکان ہوتا ہے کہ بھیڑ سے فائدہ اٹھاتے
ہوئے بعض بدفطرت مرد عورتوں کی طرف جنسی میلان کے

ساتھ ہاتھ بڑھائیں اور انہیں چھیڑیں۔ پس "فلا رفث" میں تو اس سے منع کیا۔ اور اس کے بعد "ولا فسوق" فرما کر اور اس آیت کی دوسری قرأت کے ذریعہ یہ اشارہ کر کے کہ اس میں ترکِ رفث ہی میں ترقی کرنے کی تلقین کی ہے۔ یہ بتایا کہ عورتوں کے ساتھ صرف چھیڑ خانی سے ہی نہ رکو بلکہ نظر بازی سے بھی مجتنب رہو۔ پس اس آیت کی دوسری قرأت میں بعض الفاظ حذف کر کے اس آیت کی تفسیر کی گئی ہے اور مضمون کی وضاحت کا یہ طریق قرآن کریم کے مروّجہ نسخوں میں مندرج آیتوں میں بھی اختیار کیا گیا ہے لیکن طوالت کے خوف سے ہم اس کی تفصیل میں نہیں جا سکتے۔

دوسری مثال:

مروّجہ نسخوں کی آیت ۲۴ میں "قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا سکتہ وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا" کے الفاظ ہیں اور اسی آیت کی دوسری قرأت حضرت ابن مسعودؓ سے یوں مروی ہے۔ قَالَا رَبَّنَا اِلَّا تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا (یعنی "ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا" کی کمی اور "وَاِنْ لَّمْ" کی جگہ "اِلَّا تَغْفِرْ لَنَا") سو جاننا چاہیئے کہ دوسری قرأت ایک اہم زائد مفہوم پیدا کرنے اور یہ بتانے کے لئے ہے کہ استغفار کی ضرورت صرف ارتکابِ ظلم پر ہی نہیں ہوتی بلکہ مستقبل میں کسی ظلم کے سرزد ہونے سے حفاظت چاہنے کے لئے بھی ہوتی ہے اور ظاہر ہے کہ اس مفہوم کے ادا کرنے کے لئے "اِنْ لَّمْ" کی بجائے "اِنْ لَّا" زیادہ فصیح ہوتا ہے۔ اب یہ مضمون اس آیت کے الفاظ میں بھی مضمون [illegible] قرأت ایسی [illegible] زیادہ [illegible] کیونکہ قرآن کریم [illegible]

سے ہمیں یہ علم ہوتا ہے کہ استغفار مستقبل کے لئے بھی ہوتا ہے۔ پس ہم نے مختلف قرأتوں کے جو تین مقاصد اوپر بیان کئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ قرأت ان میں سے دوسرے مقصد کو پورا کرنے کے لئے ہے۔

تیسری مثال:

قرآن کریم کے مروّجہ نسخوں کی آیت   میں "وَمِنَ الشَّيٰطِيْنِ مَنْ يَّغُوْصُوْنَ لَهٗ وَيَعْمَلُوْنَ عَمَلًا دُوْنَ ذٰلِكَ وَكُنَّا لَهُمْ حٰفِظِيْنَ" کے الفاظ ہیں اور ابن مسعودؓ سے مروی قرأت میں "وَمِنَ الشَّيٰطِيْنِ مَنْ يَّغُوْصُ لَهٗ وَيَعْمَلُ وَكُنَّا لَهُمْ حٰفِظِيْنَ" کے الفاظ ہیں (یعنی الفاظ میں اختلاف بھی ہے اور کمی بھی) اس قرأت کی ضرورت اور حکمت بھی ادنیٰ تدبر سے سمجھ آ سکتی ہے شیاطین سرکش لوگوں کو کہتے ہیں۔ اسی لئے اس آیت پر یہ سوال پیدا ہوتا تھا کہ ایسے لوگوں سے کس طرح کام لیا جاتا تھا اور ان کو کس طرح قابو میں رکھا جاتا تھا۔ دوسری قرأت میں "ومن الشیٰطین یغوصون لہ" کی جگہ "ومن الشیٰطین یغوص لہ" رکھ کر یعنی جمع کی جگہ واحد کا صیغہ استعمال کر کے اور "یعملون عملا دون ذٰلک" کی بجائے "یعمل" فرما کر یہ اشارہ کیا ہے کہ ان میں سے ایک شخص باقیوں سے کام لیا کرتا تھا اور ایسے تمام کاموں کی نگرانی کیا کرتا تھا یعنی حضرت سلیمانؑ نے ان میں سے ایک شخص کو جو دوسروں کا لیڈر بننے کی اہلیت رکھتا تھا دوسروں پر نگران مقرر کر دیا تھا اور [illegible] اور دوسروں کو [illegible] مسخر کر لیا تھا۔ پس اسی

یعنی ایک نسخہ سرکش لوگوں کو قابو کرنے کا بتایا جس سے مسیحی
قوموں نے اپنے مفتوحہ علاقوں میں بہت کام لیا ہے مگر ہم ہیں
کہ ان حکمت بھری باتوں پر غور کرنے انہیں سمجھنے اور فائدہ اٹھانے
کی بجائے ان کو سرے سے قابل توجہ ہی نہیں سمجھتے بلکہ قرآن
(یا دین) کے خلاف سازش قرار دے رہے ہیں۔

چوتھی مثال:

جو پرویز صاحب نے کئی الفاظ والی قراءتوں کی پیش
کی ہے وہ یہ ہے کہ آیت (۱۶:۱۳) میں وَسَخَّرَ لَكُمُ اللَّيْلَ
وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُومُ مُسَخَّرَاتٌ
یا سورہ کے الفاظ ہیں اور حضرت ابن مسعودؓ سے مروی قراءت
میں وسخر لکم اللیل والنهار والشمس والقمر و
الریاح یا سورہ کے الفاظ ہیں۔ اور اس کے متعلق مکرم پرویز
صاحب نے سوال یہ کیا ہے کہ "الریاح" النجوم کی تفسیر
کیسے قرار پا سکتی ہے؟ جواباً عرض ہے کہ یہ تو ہم نہیں کہتے کہ
جو لفظ جس لفظ کی جگہ آئے وہ لازماً اسی لفظ کی تفسیر ہوتا
ہے بلکہ ہم تو یہ بھی نہیں کہتے کہ ہر قراءت لازماً قراءت تفسیری
ہی ہوتی ہے۔

اصل آیت میں کہا یہ گیا ہے کہ اللہ نے تمہارے لئے رات
اور دن اور سورج اور چاند کو مسخر کیا ہوا ہے یعنی کام پر لگایا
ہوا ہے .... اور نجوم بھی اسی کے "امر"
سے مسخر ہیں۔ اس پر دو سوال پیدا ہوتے تھے (۱) یہ کہ کیا رات
اور دن اور سورج اور چاند اس کے "امر" سے مسخر نہیں
ہیں؟ اور (۲) یہ کہ اللہ کے امر سے کس قسم کا امر مراد ہے
ہر حالت میں یکساں رہنے والا غیر مبدل یا ادل بدل امر یا ایسا
امر جس میں کبھی ظاہراً یا باطناً تغیر بھی ہو جاتا ہے دوسری قراءت
کے ذریعے ان سوالوں کا جواب دیا گیا ہے چنانچہ یا سورہ
کو سب کے ساتھ لگا کر تو یہ بتایا گیا ہے کہ رات اور دن۔
سورج اور چاند سب اسی کے امر ہی سے مسخر ہیں۔ اور
"النجوم" کی جگہ "الریاح" کا لفظ رکھ کر بتایا ہے کہ خدا تعالیٰ
کا امر نجوم میں بھی اسی طرح کام کرتا ہے جس طرح "ریاح"
میں کام کرتا ہے۔ یعنی جس طرح ریاح ہیں تو خدا تعالیٰ کے قانون
کے تابع لیکن گاہے گاہے ان میں غیر معمولی حالتیں بھی پیدا
ہوتی رہتی ہیں۔ اسی طرح نجوم بھی خدا تعالیٰ کے قانون (امر)
کے تابع ہیں۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ خدا تعالیٰ کا تصرف
ان پر نہیں رہے گا۔ گاہے گاہے اس کے خاص تصرف سے ان
کی عام حالتوں میں فرق بھی آتا رہتا ہے۔ چنانچہ ستاروں کا
آپس میں ٹکرا جانا اور ٹوٹنا اسی کی مثالیں ہیں اور چونکہ اس
حقیقت کو نہ جاننے کی وجہ سے کہ خدا تعالیٰ کے عام قانون
سے ہٹ کر بھی ایک قانون عناصر قدرت میں کام کر رہا ہے
لوگوں کو "شق القمر" کے معجزہ بلکہ اکثر معجزات پر اعتراض
ہوتا تھا اسی لئے بھی اور اس لئے بھی کہ مشرک لوگ نجوم پر
بہت انحصار کیا کرتے تھے اور یہ بتانے کی ضرورت تھی کہ نجوم
بھی خدا تعالیٰ کے تصرف میں ہیں۔ اسی آیت کی رُو سے دوسری
قراءت ہوئی۔

مارچ ۶۲ء کے مقالہ میں مکرم پرویز صاحب
لکھتے ہیں کہ:-

"کسی کے متعلق اتنا اور سن لیجئے کہ مصحف
حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ میں قرآن کریم

کی تین سورتیں (سورۃ فاتحہ۔ سورۃ الفلق اور سورۃ الناس) تھی ہی نہیں روایات میں ہے کہ وہ فرماتے تھے کہ یہ سورتیں قرآن کا حصہ ہی نہیں۔"

اس کے متعلق ہماری گذارش یہ ہے کہ اول تو یہ روایت کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ یہ فرماتے تھے کہ یہ سورتیں قرآن کا حصہ ہی نہیں وضعی ہو سکتی ہے جس کا ثبوت یہ ہے کہ جب حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ میں وہ قرآن صاف کر کے لکھا گیا جو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ہی مرتب ہو چکا تھا۔ اور پھر حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں اس کی نقول تیار کر کے سارے عالم اسلام میں بھجوائی گئیں تو اس وقت کسی ایک صحابی نے بھی (بشمولیت حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے) اس کے خلاف آواز نہیں اٹھائی اور اسی طرح اس کی صحت کی تصدیق کر دی۔ دوسرے خود راوی کے الفاظ میں خفیف سا سقم رہ جانے سے بات کچھ کی کچھ بن جاتی ہے۔ ممکن ہے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا صرف یہ مطلب ہو کہ یہ سورتیں قرآن کا خلاصہ ہیں اور قرآن کریم سے الگ ان کا کوئی وجود نہیں۔

باقی اس جگہ یہ نہیں بھولنا چاہیئے کہ مصحف ابن عباسؓ یا مصحف عبداللہ بن مسعودؓ یا کسی اور صحابیؓ کے مصحف سے یہ مراد ہرگز نہیں کہ ان کے نزدیک قرآن کریم بس اتنا ہی تھا بلکہ ان سے مراد صرف یہ ہے کہ ان مصاحف میں جو آیات جس طرح لکھی گئی تھیں ان بزرگوں کے نزدیک حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم پر اسی طرح سے نازل ہوئی تھیں گویا وہ مختلف قراتیں ہے جو ان بزرگوں کے علم میں آئیں۔ مجموعے تھے اور بس۔ ورنہ اگر وہ سمجھتے کہ قرآن کریم بس اتنا ہی ہے جتنا کہ ان کے مصاحف میں مندرج ہے تو وہ اس قرآن کو کیسے قبول کر لیتے جو حضرت ابوبکرؓ کے زمانے میں صاف کر کے لکھا گیا اور حضرت عثمانؓ کے زمانے میں دنیا میں پھیلایا گیا اور جس کے مطابق خود حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں تلاوت ہوا کرتی تھی۔

اور پھر ہم نے پرویز صاحب کی پیش کردہ ان قراتوں کی وضاحت کی ہے جن میں الفاظ کی کمی ہے اس کے بعد ہم ان کی پیش کردہ وہ واحد مثال لیتے ہیں جس میں الفاظ کی زیادتی ہے سورۃ النساء میں ہے:۔

" وَأُحِلَّ لَكُمْ مَا وَرَاءَ ذَٰلِكُمْ
أَنْ تَبْتَغُوا بِأَمْوَالِكُمْ مُحْصِنِينَ
غَيْرَ مُسَافِحِينَ فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ
بِهِ مِنْهُنَّ فَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ
فَرِيضَةً ط " (۴/۲۵)

حضرت عبداللہ بن عباس سے مروی قراءت میں غَيْرَ مُسَافِحِينَ کے بعد فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهِ مِنْهُنَّ إِلَىٰ أَجَلٍ مُسَمًّى — کے الفاظ ہیں۔

پرویز صاحب فرماتے ہیں کہ اس سے متعہ کی سند مل جاتی ہے اور تفسیر طبری میں منقول ابونظر کی روایت کے مطابق حضرت ابن عباسؓ نے خود اسے متعہ کے جواز میں پیش کیا ہے اس کے متعلق ہم یہ گذارش کرنا چاہتے ہیں کہ طبری میں صرف روایات جمع کی گئی ہیں۔ ان کی صحت یا عدم صحت کی طرف توجہ نہیں کی گئی۔ پس اول تو ضروری نہیں کہ یہ روایات صحیح ہوں شیعہ اصحاب کے ہاں وضعی روایات کی بڑی کثرت ہے جن میں سے ایک آدھ اپنے مقالہ میں

خود پرویز صاحب نے بھی نقل کی ہے۔ جیسے امیر المومنین رضؓ والی قرأت کہ اس کی سند قرآن کریم سے نہیں ملتی۔ دوسرے اگر اس سے حضرت ابن عباسؓ نے متعہ کی دلیل پکڑی ہو تو اس کی حیثیت صرف ان کے ذاتی استدلال کی ہوگی جو بہر حال حجت نہیں۔ بالخصوص جبکہ قرآن کریم کی نص صریح خلاف ہے تیسرا اجل مسمّٰی ۔۔۔ مدت معینہ بے شک مراد ہوتی ہے لیکن انسان کی مدت عمر بھی تو محدود اور معیّن ہوتی ہے۔ اس لئے اس سے مدت العمر کیوں مراد نہ لی جائے چنانچہ سورۃ ھود میں یہ الفاظ آئے ہیں :۔

"وَأَنِ اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ ثُمَّ
تُوبُوا إِلَيْهِ يُمَتِّعْكُمْ مَتَاعًا
حَسَنًا إِلَى أَجَلٍ مُسَمًّى" (۱/۱۱)

تفسیر بیضاوی میں اس جگہ اِلٰی اجلٍ مسمّٰی کے بارہ میں یہ لکھا ہے کہ ـــــــ هُوَ آخِرُ اعمارکم المقدر

یعنی اس سے مراد مقدر مدت العمر ہے۔ اور چونکہ پہلے غَيْرَ مُسَافِحِيْنَ کے الفاظ آچکے ہیں جن سے وقتی نکاح کی نفی ہوتی ہے۔ اس لئے اس جگہ اِلٰی اجلٍ مسمّٰی کے الفاظ سے مدت العمر ہی مراد لی جانی چاہیئے اور یہ الفاظ اس بات کی وضاحت کے لئے سمجھے جانے چاہئیں کہ استمتع سے صرف وقتی فائدہ اٹھانا مراد نہیں لیکن اگر بفرضِ محال ان الفاظ سے صرف مدت معینہ تک کے لئے مباشرت کا معاملہ طے کرنے کی طرف اشارہ ہو تو پھر بھی ہم کہہ سکتے ہیں کہ اس قرأت سے زیادہ سے زیادہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ کسی وقتی ضرورت کے ماتحت ایک موقع پر متعہ کی اجازت ہوئی ہوگی نہ یہ کہ ہمیشہ کے لئے اجازت ہوگی

تھی کیونکہ قرآن کریم کے بہت سے مقامات سے بلکہ خود اس آیت سے یہ امر بوضاحت ثابت ہے کہ وقتی طور پر مباشرت کا معاملہ طے کرنا جائز نہیں اور خود ان روایات میں کہ جن میں جنگ اوطاس کے دوران تین دن کے لئے متعہ کی اجازت کا ذکر ہے یہ لکھا ہوا بھی موجود ہے کہ تین دن کے بعد متعہ کو قیامت تک کے لئے حرام قرار دے دیا گیا تھا چنانچہ حدیث کے الفاظ یہ ہیں :۔

" فهو الحرام الى يوم القيامة "

اور خود حضرت علیؓ کی روایت بخاری میں موجود ہے کہ متعہ حرام ہے اور نیز احادیث میں صاف لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :۔

"اِنِّیْ كُنْتُ اَحْلَلْتُ لَكُمُ
الْمُتْعَةَ وَاِنَّ جِبْرَئِيْلَ لَقِيَنِيْ
فَاَخْبَرَنِيْ اِنَّهَا حَرَامٌ اِلٰى يَوْمِ
الْقِيَامَةِ "

(فردوس الاخبار دیلمی ص۱۳۱ سطر ۲)

میں نے تمہارے لئے (متعہ) حلال کیا تھا
(یعنی جنگ اوطاس کے موقعہ پر) مگر
جبرائیلؑ میرے پاس آئے اور انہوں
نے مجھے اطلاع دی کہ یہ قیامت تک
حرام ہے۔

اپنا مضمون ختم کرنے سے پہلے ہم پرویز صاحب کے ایک ہم خیال کے ایک سوال کا جو اس مضمون سے متعلق ہے جواب بھی اسی جگہ دیتے ہیں ان کا سوال یہ ہے کہ :

"اگر بعض قرآنی تفسیر کے طور پر ہیں تو ان
کو قرآن میں درج کیوں نہیں کیا گیا؟"

اس کے متعلق جاننا چاہیئے کہ ہر بات جو قرآن کریم کی تفسیر پر مشتمل ہو قرآن کا حصہ بنانا خدا تعالیٰ کا طریق ہی نہیں مثلاً آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے جملہ اقوال قرآن کریم کی تفسیر تھے۔ مگر ان سب کو قرآن میں درج نہیں کیا گیا۔ ورلانکہ آیت ما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحی کی بناء پر بعض اکابر مسلمانوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جملہ اقوال کو مشتمل بر وحی قرار دیا ہے اور بعض احادیث کو تو متفقہ طور پر مبنی بر الہام (احادیث قدسی) کہا گیا ہے مگر ان کو بھی شاملِ قرآن نہیں کیا گیا۔ خدا تعالیٰ نے تفسیر قرآن کے لئے بہت سے طریق رکھے ہیں۔ اوّل: بعض آیات دوسری آیات کی تفسیر کرتی ہیں۔ دوسرے: قرآن کریم اپنی ترتیب ظاہری کے نشانوں سے بتاتا چلا جاتا ہے کہ اس کے اندر کیا کیا حقائق و معارف پوشیدہ ہیں اور اس طرح ان کی ترتیبِ ظاہر بھی قرآن کریم کی مفسّر ہے۔ تیسرے: اقوال و افعال رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ قرآن کی تفسیر ہو جاتی ہے۔ چوتھے: الہامات و مکاشفاتِ اولیاء اللہ کے ذریعہ بھی قرآن کریم کی تفسیر ہوتی ہے اور اس تفسیر کا دروازہ بھی ہمیشہ کے لئے کھلا ہے۔ پانچواں: عالم ظاہر قرآن کریم کا مفسّر ہے کیونکہ قرآن ایک عالم روحانی ہے۔ جو عالم جسمانی کے بالکل متوازی پڑا ہوا ہے وہ خدا کا فعل ہے یہ تو خدا کا قول اور خدا کے قول اور فعل میں مناسبت اور مطابقت کا پایا جانا ضروری ہے اسی طرح قرآن ایک طبِ روحانی ہے جس کے قواعد کلیہ طبِ جسمانی کے قواعد کلیہ سے پوری پوری مطابقت رکھتے ہیں۔ اس لئے چھٹے نمبر پر طبِ جسمانی کے قواعد کلیہ سے بھی قرآن کی تفسیر ہوتی ہے لیکن اوّل الذکر دو قسم کی تفسیر کے علاوہ اور کونسی قسم تفسیرِ قرآن کی ہے جو قرآن کے اندر ہی رکھ دی گئی ہو؟

اسی جگہ یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیئے کہ اگر قرآن خود ہی اپنی جملہ باتوں کی تفسیر واضح طور پر کر دیتا تو حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے اقوال کی بلکہ آپ کے وجود تک کی کیا ضرورت باقی رہ جاتی لیکن حکمتِ الٰہیہ نے ہمیشہ یہی چاہا ہے اور پسند کیا ہے کہ اپنی کتاب کو اپنی بلاواسطہ تفہیمات کے ذریعہ اور اسی طرح حاملِ کتاب کے ذریعہ اور نیز ان مختلف ذرائع کے ذریعہ جن کا ذکر ابھی کیا گیا ہے سمجھا جائے۔

قرآن کی تفسیر قرآن کے اندر بے شک موجود ہے لیکن تفسیر کو سمجھنے کے لئے بھی تو تفسیر کی ضرورت ہوا کرتی ہے کیا کبھی آپ نے نہیں سنا کہ دینی مدرسوں میں مختلف تفاسیر مثلاً بیضاوی، کشاف، بحرِ محیط، فتح القدیر یا روح المعانی وغیرہ کی شرح بھی پڑھائی جاتی ہے اگر قرآن کی تفسیر کے قرآن کے اندر موجود ہونے کا یہ مطلب ہے کہ کسی اور تفسیر کی ضرورت نہیں تو "مفہوم القرآن" شائع کرنے کی "غلطی" کیوں کی گئی ہے اور اگر یہ غلطی نہیں اور تفسیر القرآن کی ضرورت باقی تھی تو کیا خدا تعالیٰ ہی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ اپنے کلام کی آپ کوئی تفسیر بیان کر دے کیا آپ نے نہیں پڑھا کہ قرآن نے جہاں کتاب مبین ہونے کا دعویٰ کیا ہے وہاں (قرۃ) لقرآن کریم (بھی)

کتاب مکنون (سورۃ ۵۶ آیت ۷۹) بھی فرمایا ہے۔ جس سے صاف صاف ظاہر ہے کہ گو قرآن کی تفسیر قرآن کے اندر موجود تو یقیناً ہے لیکن ہر کوئی اسے سمجھ نہیں سکتا اور ظاہر ہے کہ جس بات کو ہر کوئی نہیں سمجھ سکتا وہ بات سمجھانے کی ضرورت ہوا کرتی ہے۔ دراصل قرآن کریم جواہرات کی ایک کان ہے جس طرح حکمت الٰہیہ نے لعل و گوہر کو ایسے طریق پر کانوں اور سمندر کی تہوں میں چھپا رکھا ہے کہ ان کا حصول محنت شاقہ اور جانکنی کا متقاضی ہوتا ہے اسی طرح اس نے قرآن کریم کو ایسی وضع دی ہے کہ اس کے معارف کو پانے کے لئے بہت سی مشقتیں اٹھانا پڑتی ہیں اور بہت سے مجاہدات بجا لانے پڑتے ہیں اور کبھی یکبارگی کی طرح اس کے سب نوادرات ہاتھ نہیں آجاتے اور یہ وہ کتاب نہیں ہے کہ جس کی سب باتیں محض سطحی علم رکھنے والے اور موٹی عقل کے لوگ سمجھ سکیں بلکہ یہ حقائق و دقائق کا ایک بحر بیکراں ہے جس کے موتی اس کے غواص ہی پا سکتے ہیں اور جس طرح ظاہری سمندر میں غوطہ لگانے والوں کو کسی ایک استاد کی ضرورت ہوتی ہے اسی طرح روحانی سمندر میں بہت سی ایسی باتیں بھی ہیں کہ جن کو ہر کس و ناکس نہیں سمجھ سکتا۔ بعض باتوں کی تفسیر مختلف قراءتوں کے ذریعہ اور بعض کی اقوال و افعال رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ اور بعض کی مکاشفات اولیاء اللہ کے ذریعہ کی گئی ہے۔ ••

اگر آپ اپنے بچوں کو تحفہ دینا چاہتے ہوں تو ان کے نام ماہنامہ "تشحیذ الاذہان" جاری کروا دیں۔ انشاء اللہ العزیز ایک مفید تحفہ ثابت ہوگا۔ چندہ سالانہ: دس روپے ۱۰/- (مینیجر)

کیا سگریٹ پینے کے لئے
کوئی عذر قابل قبول ہے؟

ہم لوگ یہ جانتے ہوئے بھی سگریٹ پیتے ہیں کہ یہ نقصان دہ ہے ہمیں یہ معلوم ہونا چاہیئے کہ سگریٹ بالآخر انسان کو سرطان میں مبتلا کر دیتی ہے مگر اس سے پہلے مختلف مراحل پر کھانسی۔ دمہ، دانتوں کی خرابی اور جلد کے پھٹنے جیسی بیماریاں بھی اس سے پیدا ہوتی ہیں۔ ڈاکٹر کہتے ہیں کہ سگریٹ پینے کے لئے کوئی عذر بھی قابل قبول نہیں۔ بعض لوگ کہتے ہیں:-

"مجھے تو سگریٹ تکلیف نہیں دیتی۔ اگر تکلیف دے گی تو اسے ترک کر دوں گا۔"

مگر ہمیں یہ معلوم ہونا چاہیئے کہ جن لوگوں کو سرطان ہو جاتا ہے ممکن ہے کہ وہ لوگ موت سے چند ماہ قبل تک کوئی تکلیف محسوس کیا نہ کریں۔ اگر یہ کہا جائے کہ سگریٹ پینے سے اعصاب کو سکون ملتا ہے تو یہ بات بھی قابل قبول نہیں مرنے والے ہر پانچ افراد میں سے دو کی موت اسی عادت کی وجہ سے ہوتی ہے اور یہ بات یقینی ہے کہ سگریٹ پینے والے افراد۔ سگریٹ نہ پینے والوں کی نسبت زیادہ جلدی مرتے ہیں۔

(ترجمہ از روزنامہ "ترجمان" ترکی۔ مورخہ ۲۸ر اکتوبر ۷۵ء)

مرسلہ

(محمد جلال شمس۔ اسلام آباد)

روح کی آواز

داستاں در داستاں ہے زندگی کی بات بات
ہر تخیل، ہر تصور، راستے کا سنگِ میل
لفظ لفظ اظہار کی سعیٔ جمیل
آرزوئے شوق کی روشن دلیل
ذہن و دل نیرنگیٔ فطرت کی جھیل
جیسے ہر قوسِ قزح انگڑائیاں لیتی ہوئی
بادِ باراں کی فضا میں کشتیاں کھیتی ہوئی
ہر چمن کو رنگ و بو
لالہ و گل کو لہو
بادہ خواروں کو سبو
دیتی چلی جائے مدام
لمحہ لمحہ، گام گام
پاکبازی کا علم
ترک و تازی کے حشم
ہمسفر اور ہمقدم

ماہ و پروین پر نگاہ نیم باز
ہے مری منزل بہت آگے بہت دور و دراز
ہاں ——— مگر
یہ خوشنوائی کا ہجوم
میرے چاروں سمت اُڑتی پھیلتی بادِ سموم
ہر خوشی طوق و سلاسل
ہر مسرت جانگداز
زندگی کا راز، غم
اور غم ہے زندگی کا امتیاز
غم نہ ہو تو زندگی اک نغمۂ بے ساز ہے
یوں تو راحت بھی بہت کچھ ہے مگر
غم ہماری روح کی آواز ہے

○

جناب نسیم سیفی ربوہ

جناب ڈاکٹر پرویز پروازی صاحب۔ ایم اے پی ایچ ڈی (اوساکا)

محترم ڈاکٹر پرویز پروازی صاحب کے سفر نامہ کی دو اقساط خالد کے گزشتہ شماروں میں قارئین ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ اس وقت تک چونکہ موصوف کی طرف سے مزید قسط کی اطلاع نہیں ملی تھی اس لئے پچھلا مضمون "آخری قسط" گردانا گیا۔ اب محترم ڈاکٹر صاحب نے یہ سلسلہ جاری رکھنے کے عزم کا اظہار کیا ہے۔ چنانچہ اسی دلچسپ اور معلومات افزا سفر نامہ کی تیسری قسط ہدیۂ قارئین ہے۔ (مدیر)

خوش آمدید

گھر کے بڑے دروازہ سے داخل ہوتے ہی ایک لمبے قد کے سرخ و سفید صاحب نے نستعلیق امریکی انگریزی میں "خوش آمدید" کہا۔ ساتھیوں نے تعارف کرایا کہ ——
"آپ فارسی صاحب ہیں!" —— ہم —— کہ طویل ہوائی سفر کی وجہ سے کچھ بہرے سے ہو رہے تھے۔ سمجھے کہ آپ فارسی کے پروفیسر ہیں۔ لہٰذا فوراً فارسی بگھاری —— "آغا! حال شما چیست؟" جواب میں آغا صاحب مسکرا "چہ می گفتم" سے ہو گئے —— دل کا چور بولا —— آہ یہ تو غلط سلط پاکستانی کتابی فارسی —— ! ہم نے جبر کر ہی لی۔ اپنے آپ کو سنبھالا اور انگریزی میں How do you do? کہہ کر بات آگے بڑھائی۔ جواب میں پھر مقفّیٰ مسجّع، صاف ستھری دُھلی دُھلائی "قلعۂ معلّٰی" کی انگریزی۔ تب کاگایا صاحب نے جو ہمارے چہرے پر پھیلے ہوئے اوسان باختگی کے تاثرات پڑھ رہے تھے ہمیں ذرا تفصیل سے آگاہ کیا اور بتایا کہ ان صاحب کا اسم گرامی "فارسی" ہے اور آپ انگریزی کے پروفیسر ہیں۔ تو بہت خفت ہوئی۔ اس خفت کو سنبھالتے ہوئے گھر کے اندر داخل ہوئے تو احساس ہوا کہ اپنا ہی گھر ہے۔ ؎

جس جگہ جا کے لگے وہی کنارا ہو گیا

اپنے گھر کو دیکھتے ہیں

بڑے بڑے کمرے اور اکٹھے چار۔ کتابوں میں پڑھا تھا کہ جاپان میں جگہ کی بہت قلت ہے لہٰذا لوگ ایک ایک دو دو کمرے

ہیں گزارا کرتے ہیں۔ اس لئے ہم نے بھی اپنے لئے جس مکان کا نقشہ ذہن میں مرتب کیا تھا وہ دو کمروں کا چھوٹا سا مکان تھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ہمیشہ ان کی توقعات سے بڑھ کر دیتا ہے اس لئے ہم نے شکر ادا کیا اور گھر کا جائزہ لینا شروع کیا یہ ڈائننگ روم ہے۔ ہر چیز موجود۔ یہ بیٹھنے کا کمرہ ہے پوری طرح مرتب۔ یہ بچوں کے سونے کا کمرہ۔ جاپانی طرز کے بستروں سے آراستہ۔ یہ ڈائننگ ہال ہے اور ملاقاتی ہال ہے۔ طویل و عریض اگر ایک طرف بیٹھ کر کھانا کھانے لگو تو دوسرے سرے پر بیٹھے ہوئے لوگ نظر نہ آئیں ——— یہ باورچی خانہ ہے۔ پوری طرح مسلح ——— یہ غسل خانہ ہے ——— یہ سٹور ہے ——— یہ دوسرا سٹور ہے ——— وغیرہ وغیرہ ——— کچھ دیر تو نتقاسے کار ساتھ تھے لہذا ——— "کبھی ہم ان کو کبھی اپنے گھر کو دیکھتے تھے ——— " جب وہ چلے گئے تو کیفیت یہ ہو گئی ——— " دیکھئے آپ کی اور آپ کے گھر کی عزت "

جاپانی لحاف

سامان کھولا۔ لیکن بستر نہ کھولے۔ بعد میں علم ہوا کہ بستر کھولنا ضروری ہے کیونکہ جاپانی لحاف میں سونے کی کوشش کی تو ——— " اندر کفن کے سر ہے تو باہر کفن کے پاؤں " ——— کا مضمون پیدا ہو گیا ——— معلوم ہوا کہ ہم نے قد بڑھاتے ہوئے یہ نہیں سوچا تھا کہ ہمیں کبھی جاپان بھی جانا ہو گا۔ اب ایک ہی رستہ باقی تھا کہ بستر میں سے اپنا پاکستانی لحاف نکالیں۔ بستر کھولنے لگے اور ——— جیتے جی میں مرا لپٹا ہوا بستر کھلا ——— باقی سب لوگ سو چکے تھے۔ ہم نے بھی سونے کی کوشش کی۔ کوئی بارہ بجے کا عمل تھا لیکن نیند نہ آتی تھی وجہ یہ تھی کہ پاکستان میں ابھی

صرف آٹھ بجے تھے اور آٹھ بجے کا وقت شریف لوگوں کے سونے کا وقت نہیں ہوتا۔ ہم نے حساب لگانا شروع کیا کہ جب یہاں ایک بجے گا۔ پاکستان میں ۹ بجے ہوں گے۔ دو بجیں گے تو دس بجیں گے۔ غرض اسی طرح حساب کرتے کرتے سو گئے کیونکہ یہ بھی شرفاء کا آزمودہ نسخہ ہے کہ اگر نیند نہ آ رہی ہو تو حساب کرنا شروع کرو نیند آ جائے گی۔

گرد و پیش کا جائزہ

صبح سویرے آنکھ کھل گئی۔ دیکھا سورج نکلا ہوا تھا گھر سے باہر نکل کر اردگرد کا جائزہ لیا۔ ہمارا مکان تین منزلہ عمارت میں تھا۔ سطح زمین پر ہم تھے۔ ساتھ کے سیڑھیوں والے دروازہ پر " بورڈ " لگے تھے۔ ایک پر انگریزی میں " A. FARICK " لکھا تھا۔ ہم نے سوچا کہ پروفیسر موصوف کا نام " عربی فارسی " ہو گا ——— دوسرے پر کوئی عجیب و غریب لایعنی قسم کی چیز اوپر سے نیچے کی طرف لکھی تھی۔ بعد میں معلوم ہوا کہ جاپانی زبان میں ہمارے دوسرے ہمسائے پروفیسر چی کا اسم گرامی ہے۔ جو چینی زبان کے پروفیسر ہیں۔ مکان کا سیاسی نقشہ یہ تھا کہ نیچے پاکستان ہے۔ اوپر امریکہ اور اس سے بھی اوپر چین ——— گویا امریکہ یہاں بھی ہمارے سر پر سوار ہے۔ ع

بچ کے جائیں گے کہاں ولیسر غم دوراں تجھ سے

بعد کے تجربہ نے بتایا کہ صرف ہمارے ہی نہیں۔ پورے جاپان کے سر پر سوار ہے۔ ع ناوک نے تیرے صید نہ چھوڑا زمانے میں

یونیورسٹی میں ورود

یونیورسٹی جانے کی تیاری کیسی نہائے دھوئے،

شیروانی اور شلوار قمیص پہن کر اپنے خضر کا انتظار کرنے لگے کیونکہ اس کے بغیر ہم اوساکا میں "منہ دکھانے" کے قابل نہیں تھے۔ رستہ جو نہیں آتا تھا۔ نو بجے وہ طلباء تشریف لائے اور ہم ان کے ساتھ یونیورسٹی روانہ ہوئے۔

پہلا سفر ہے اجنبی رستوں کے شہر کا
اے دل سنبھل یہ مرحلہ ہوتا ہے قہر کا

خضر آگے آگے اور ہم سکندر کی طرح پیچھے پیچھے کوئی تین منٹ میں یونیورسٹی پہنچ گئے۔ یونیورسٹی ایک پانچ منزلہ پیلی عمارت میں ہے۔ فضا صاف ستھری، سنجیدہ اور خاموش ہے۔ ہمارے ہاں کا سا شور شرابا نہیں ہے۔ اللہ! یہ کیسی یونیورسٹی ہے ——؟ ہم یہی سوچ رہے تھے کہ خضر نے فرمایا —— "لیجئے یہ آپ کا کلاس روم ہے اور طلباء اور طالبات آپ کے منتظر ہیں ——"

کاگایا صاحب (صدر شعبہ) کلاس کے دروازے تک آئے اور اندر لے گئے ہم نے ڈرتے ڈرتے اندر قدم رکھا لیکن کلاس روم میں کوئی جنبش نہ ہوئی۔ طلباء "گل محمد" بنے بیٹھے رہے۔ صدر شعبہ نے فراخ دلانہ لفظوں میں کسی کے متعلق تعریفی کلمات کہنا شروع کئے اور مسلسل دو تین منٹ تک کہتے رہے۔ طلباء نے تالیاں بجائیں۔ بعد کو معلوم ہوا کہ وہ ہمارا تعارف کرا رہے تھے اور یہ ہمارا استقبال ہو رہا ہے۔ کسی جاپان شناس کا یہ فقرہ بہت یاد آیا کہ "جاپانی لوگ تعریف کرنے میں حاتم ہیں۔ لیکن اپنی صحیح رائے کا اظہار کرنے میں بخیل" —— اب ہماری کچھ کہنے کی باری تھی ہم نے "پہلے تو ہم بولا —— کے اصول پر عمل کرتے ہوئے کچھ کہنا چاہا تو لفظ بہت بھاری نکلے زبان پر لا لا کر اٹھاتے تھے۔ تولتے بات نہ بنی تو جو منہ میں آیا کہتے چلے گئے اور طلباء خاموشی سے سنتے رہے۔ جب ہم ذرا سی دیر کے لئے سانس لینے کو رکے تو تالیوں کا طوفان اٹھا۔ دیر تک تالیاں بجتی رہیں گویا طلبا چاہتے تھے کہ اتنی تالیاں بجاؤ کہ اس شخص کو مزید کچھ کہنے کی جرأت نہ ہو۔ چنانچہ یہی ہوا۔ کاگایا صاحب ہمیں کلاس روم سے لے کر اوپر چوتھی منزل پر اپنے کمرہ میں لے آئے کہ لے چلے ہم "یہ جواب اپنا اٹھا ہلکا ہو یا بھاری لگے"

سٹاف روم یا شہر خموشاں؟

یہاں ہر شعبہ کے اساتذہ ایک ہی دارالمطالعہ میں اکٹھے بیٹھتے ہیں۔ ہر شعبہ کا دارالمطالعہ الگ ہے اور ہر استاد کی مطالعہ کی نشست (Study chair) علیحدہ۔ ہمارے ہاں کی یونیورسٹیوں اور کالجوں کے سٹاف روم میں وہ دھوم دھڑکا ہوتا ہے کہ الاماں! اور وہ تُو تڑاک ہوتی ہے کہ الحفیظ! لیکن یہاں اساتذہ اکٹھے بیٹھ کر بھی خاموشی سے اپنا اپنا کام کرتے ہیں۔ لکھتے ہیں، پڑھتے ہیں، اور سوچتے ہیں ہر شخص اپنے کام میں مصروف ہے۔ ہم نے پہلے روز اپنی عادت کے مطابق کچھ بحث چھیڑنے کی کوشش کی لیکن دوسری جانب سے حوصلہ افزائی نہ ہوئی۔ ناچار کتاب کا مطالعہ شروع کر دیا اور سوچنے لگے کہ جاپان بھی تو آخر مشرقی ملک ہے۔ اس میں یہ عادتیں کہاں سے آگئیں؟ لیکن پھر یہ سوچ کر مطمئن ہو گئے کہ ان لوگوں نے امریکہ سے سب کچھ سیکھا ہے۔ سوائے بری عادتوں کے اور ہم نے بھی سب کچھ سیکھا ہے سوائے اچھی عادتوں کے —— ہمارے مشرق —— اور —— جاپان کے مشرق میں "بعد" کا فرق ہے ——!

مسافر نواز۔ رفقائے کار

اپنے شعبہ کے اساتذہ سے قریب سے ملاقات ہوئی تو دیکھا کہ کاہگا صاحب سنجیدہ، مستقل مزاج، محنتی اور دھن کے پکے ہیں ——— یاماگوچی صاحب تیز طرار، ذہین اور فطین ہیں ——— کاتاؤکا صاحب کام کے رسیا، پیوڑ ضعیفی اور خدمت گزار ہیں ——— ماتسیہ صاحب بے تکلف، ہنسنے اور ہنسانے والے ہیں ——— کوآنجیہ صاحب خاموش اور کم گو ہیں ——— مراتا صاحب بڑے ہی شفیق ہیں ——— کوندو صاحب، کوندو ہیں یعنی کبھی کبھی کوندے کی طرح آ لپکتے ہیں اور پھر ہفتوں شکل نہیں دکھاتے۔ لیکن ایک بات سب میں مشترک ہے اور وہ یہ کہ سب ہی خلیق، ملنسار، مسافر نواز اور ہمدرد ہیں۔ آتش نے شاید ہمارے شعبہ کے لئے ہی کہہ رکھا تھا کہ ؎

"سفر ہے شرط مسافر نواز بہتیرے
ہزارہا شجر سایہ دار راہ میں ہے"

اردو میں کسی کی تعریف کرنا مقصود ہو تو کہتے ہیں کہ ——— "اس کی جتنی بھی تعریف کی جائے کم ہے" میرا خیال ہے یہ محاورہ کسی نے میرے رفقائے کار کو دیکھنے کے بعد وضع کیا تھا!!

احتیاط و احتیاط و احتیاط

صاف صاف کہیئے! یہ "واقعات" پر آتا تھا۔ اب تجربات کی طرف آتا ہوں ———

سب سے پہلے تو شعبہ میں یہ خیال کیا گیا کہ ہم طلبہ سے اکثر اردو ہی میں گفتگو کریں تاکہ ان کو بھی مشق کرنے کا موقعہ بہم پہنچے

یعنی بے تکلف ان سے کہیں کہ ؎

تو مشق ناز کر خون دو عالم مری گردن پر

پہلے ہی روز محسوس ہوا کہ جاپانی لوگ سوال کا جواب دینے میں بہت محتاط ہیں اور جب تک انہیں کسی چیز کے بارہ میں حتمی طور پر یقین نہ ہو۔ اس کے بارہ میں اپنی رائے کا اظہار نہیں کرتے۔ ہماری طرح ظن و تخمین سے کام نہیں لیتے۔ ہم نے ایک رفیق کار سے پوچھا۔ "کل دس بجے آپ تشریف لائیں گے نا۔؟" جواب ملا۔ "شاید دس بجے آسکوں گا۔ ہو سکتا ہے ایک آدھ منٹ ادھر ادھر بھی ہو جائے" ——— یہاں تک تو احتیاط غنیمت تھی۔ اس کے بعد کلاس میں جو کچھ ہوا وہ بھی سن لیجیئے!

ایک طالب علم خدا معلوم کیوں بار بار اپنے ہاتھ کی طرف دیکھتا تھا۔ ہم نے تفنن طبع کے طور پر سوال کیا کہ: ———

"آپ کے ہاتھ میں کتنی انگلیاں ہیں؟"

صاحبزادہ نے باقاعدہ گننے کے بعد جواب دیا۔ "پانچ!"

دوسرے سے سوال کیا۔ اس نے بھی باقاعدہ گننے کے بعد "پانچ" کا حکم لگایا۔ تیسرے ——— چوتھے ——— اور پانچویں نے بھی یہی حرکت کی۔ ہم نے سراسیمہ ہو کر پوچھا ———

"آپ حضرات بار بار گنتے کیوں ہیں؟"

جواب ملا۔ "ہمیں بتایا گیا ہے کہ ہر سوال کا جواب دینے سے پہلے احتیاط کرو۔ اس لئے ہم احتیاطاً ایسا کرتے ہیں۔"

اسی لئے وہ لوگ جو ہمارے بعد جاپان آئیں وہ محتاط رہیں اور کسی جاپانی طالب علم سے یہ سوال نہ کر بیٹھیں کہ:۔

"آپ کے سر کے بال کتنے ہیں ———؟"

ورنہ طالب علم بیچارے کی عمر ——— سر کے بال گنتے گزر جائے گی ——— !

شش انگشت

اتنی احتیاط تو صرف جاپانی کرتے ہیں۔ یا ہمارے ماسٹر عبدالعزیز! ——— ماسٹر عبدالعزیز ہمارے گاؤں میں پڑھاتے تھے اور خوب احتیاط کے داعی تھے۔ ایک بار ہم سے پوچھا۔ "انسان کے دائیں ہاتھ میں کتنی انگلیاں ہوتی ہیں؟"

ہم نے عرض کیا ——— "پانچ ———!"

"کیا تمہیں یقین ہے؟"

"جی پورا پورا یقین ہے ———!"

"پھر سوچ لو ———!"

"جی سوچ لیا ———!"

"لیکن ———" ماسٹر صاحب نے فاتحانہ انداز میں اپنا دایاں ہاتھ ہوا میں لہرایا۔ "دیکھو میرے دائیں ہاتھ میں چھ انگلیاں ہیں ———!"

ہم نے خدا جانے کس تائیدِ غیبی کے طفیل برجستہ کہا۔

"جناب میں انسانوں کے ہاتھ کی بات کر رہا تھا"

اس کے بعد قبلہ ماسٹر صاحب نے اپنی "انسانیت" کا ثبوت دینے کے لئے ہم سے وہ سلوک کیا جو ——— حزبِ اقتدار والے حزبِ اختلاف والوں سے کرتے ہیں ——— یعنی مار مار کر بھرکس نکال دیا۔ چنانچہ یہ واقعہ آج تک ہمیں یاد ہے اور اس تجربہ نے اس واقعہ کو ذہن میں اور زیادہ اُجاگر کر دیا ہے

دیانت داری

یہاں کا عالم یہ ہے کہ دوکاندار سے دس دس ین کی پانچ چیزیں لیجئے تو وہ انہیں سوراباں پر حساب کر کے آپ سے پچاس ین وصول کرے گا۔ زبانی کلامی پر اعتبار نہیں کرے گا۔ یہ سوراباں بھی عجیب چیز ہے۔ یہ لوگ اس پر کروڑوں کا حساب منٹوں میں کر لیتے ہیں۔ اور مجال ہے کوئی غلطی کر جائیں۔ غلطی رقم واپس کرتے وقت کر جاتے ہیں۔ ہم نے اپنے بیٹے ماہر کو دس ہزار ین کا نوٹ دے کر سودا سلف لینے کے لئے بھیجا۔ حضرت اڑھائی ہزار ین کا سودا لے آئے اور ساڑھے آٹھ ہزار ین بھی واپس لے آئے۔ ہم نے فوراً واپس بھیجا کہ دکاندار سے کہو کہ اس نے ہزار ین کا ایک نوٹ غلطی سے زائد دے دیا۔ وہ واپس کر دے۔ دکاندار مصر تھا کہ اس نے زائد نہیں دیا۔ بچہ واپس آ گیا۔ ہم گئے۔ دکاندار اپنی غلطی ماننے کو تیار نہیں تھا۔ جب ہم نے اس سے کہا تو بمشکل وہ اس بات پر راضی ہوا کہ رات کو وہ کمپیوٹر پر حساب کرے گا اگر واقعی دکان کے حساب میں ایک ہزار ین کی کمی ہوئی تو وہ واپس لے لے گا۔ ورنہ نہیں لے گا۔

حد ہو گئی صاحب! ایک ہزار ین ——— ایک ہزار ین ہوتے ہیں۔ دکاندار نے رات کو حساب کیا۔ واقعی ہزار ین کی کمی تھی وہ نوٹ اس نے واپس لے لیا اور آج تک ہماری "دیانت" کا معترف ہے اور ہم اس کی دیانت داری کے باب میں رطب اللسان ہیں ؎

"من ترا ملا بگویم تو مرا حاجی بگو"

اتوار اور بیمار

یہاں پہنچتے ہی ہمیں نصیحت کی گئی کہ یہاں بیمار ہونا گناہ ہے کیونکہ جسمانی لحاظ کے علاوہ مالی لحاظ سے یہ بہت مہنگا کام ہے۔ ہم نے اس نصیحت کو پلے باندھ لیا اور

اللہ تعالیٰ کے فضل سے ——— یہ دیکھئے ———
ابھی تک گرہ میں باندھ رکھا ہے لیکن ہماری چھوٹی بیٹی۔
جس کی عمر اکتوبر ۷۵ء میں صرف تین ماہ تھی اس نصیحت پر
عمل نہ کر سکی کیونکہ ابھی وہ ناسمجھ ہے۔ بیچاری کو نمونیہ نے
آلیا۔ ہسپتال میں رہی۔ اب اللہ تعالیٰ کے فضل سے ٹھیک
ٹھاک ہے۔ ایک روز اس کی طبیعت خراب تھی۔ اپنے ایک ساتھی
کو فون کیا کہ ڈاکٹر سے رابطہ قائم کرنے میں ہماری مدد کریں۔
کیونکہ یہاں کے اور کمپنیوں کی طرح ڈاکٹر بھی جاپانی زبان کے
علاوہ اور کوئی زبان نہیں جانتے۔ صاحب موصوف نے کہا

"اوہو! بچی بیمار ہو گئی؟ آج تو اتوار ہے!"

"کیوں اتوار کو بیمار نہیں ہونا چاہیئے؟"

"ہرگز نہیں! بھائی اتوار کو ہر چیز کی چھٹی ہوتی ہے"

"تو پھر کیا کریں؟"

"اچھا میں کچھ کرتا ہوں آپ میرا انتظار کریں۔"

جناب نے بڑی دقت سے ایک "اتواری ہسپتال" کا پتہ چلایا
تشریف لائے۔ مہربانی فرمائی۔ بچی کو وہاں لے کر گئے۔ علاج معالجہ
ہو گیا۔ "رسیدہ بود بلائے ولے بخیر گزشت۔" اتوار کو باقی
سب ہسپتال بند ہوتے ہیں سوائے Sunday Hospital کے یہ ہسپتال صرف اتوار یا دیگر چھٹیوں کے دن ہی
کھلتے ہیں باقی دنوں میں چھٹی کرتے ہیں ———!

شفیق ڈاکٹر

ہمارے قریب ہی ایک ڈاکٹر ہیں۔ ڈاکٹر کانو صاحب
دوسری جنگ عظیم میں برما کے محاذ پر لڑتے رہے ہیں اس لئے
تھوڑی تھوڑی انگریزی بھی سیکھ لی ہے۔ مہربان اور شفیق
ہیں۔ لیکن حسب دستور ہفتہ کی شام اور اتوار کے دن کو مریض نہیں
دیکھتے۔ حسن اتفاق سے بچی ایک بار پھر ہفتہ کی شام کو بیمار ہو گئی
ہم نے توکل علی اللہ ڈاکٹر کانو کا دروازہ جا کھٹکھٹایا۔ ڈاکٹر صاحب
گھر پر موجود نہ تھے واپس آئے اور علاج کی کوئی اور تدبیر سوچنے
لگے۔ اتنے میں باہر دروازہ کی گھنٹی بجی۔ باہر نکلے تو ڈاکٹر کانو تھے
فرمانے لگے۔ "میں گھر آیا تو مجھے بتایا گیا کہ آپ آئے تھے۔ کیا بات ہے؟"
آپ نے بچی کو دیکھا۔ معائنہ کیا دوا دی اور تشریف لے گئے
ہم نے تحدیث نعمت کے طور پر اپنے جاپانی ساتھیوں سے ڈاکٹر صاحب
کی اس شفقت اور مہربانی کا تذکرہ کیا لیکن کسی کو یقین نہیں آتا تھا۔
کہ ڈاکٹر کسی مریض کو دیکھنے کیلئے اس کے گھر بھی جا سکتا ہے۔ یہاں
ڈاکٹر مریض کو دیکھنے کے لئے گھروں میں نہیں بلائے جاتے۔ مریض کو
ہسپتال پہنچایا جاتا ہے۔ ایمبولنس سروس مفت ہے اور ہر وقت
مستعد۔ فون کیجئے ایمبولنس حاضر ہے۔ مریض کو لٹائیے ہسپتال
لے جائیے۔ ہم اس سہولت سے اس لئے محروم ہیں کہ ایمبولنس
بلانے کے لئے بھی ٹیلیفون کرنا پڑتا ہے۔ اور ٹیلیفون سننے والے جاپانی
زبان کے علاوہ اور کچھ نہیں جانتے۔ ع

"زبان یار من ترکی و من ترکی نمے دانم"

یہاں تک پہنچے تو یکدم مقطع میں آ پڑی ہے سخن گسترانہ بات!
اپنے ایک رفیق کار کو فون کیا کہ بچی کی طبیعت خراب ہے اسے ہسپتال
لے جانا مقصود ہے آپ فوراً تشریف لائیے۔ بچی کو ہسپتال لے
گئے۔ وہ تین گھنٹے ہمارے ساتھ رہے۔ تسلی دیتے رہے ہمیں کوئی
دقت نہیں ہونے دی۔ اگلے روز معلوم ہوا کہ ان کی اپنی بچی شدید طور
پر بیمار تھی لیکن وہ اسے اسی حال پر چھوڑ کر ہمارے پاس آ گئے
تھے۔ اب بتائیے! اسے کیا کہا جائے؟ کون سے الفاظ ہیں؟ جو
ایسے موقعوں پر تشکر کے لئے استعمال کئے جاتے ہیں۔ (باقی آئندہ)

وہ اب بھی دے گا!

جناب منظور احمد صاحب ہیوال

مری تمنّا پہ ہنس رہے ہو؟
تم اپنے جی میں یہ سوچتے ہو
کہ یہ تمنّا ہے ایسی — جیسے
فلک سے اِک طفل چاند مانگے

تمہیں خبر کیا کہ عمر بھر میں
مجھے کتنے سودے خام سر میں
ہر ایک سودا تمہاری سوگند
تھا چاند ہی مانگنے کی مانند
میں کتنے ہی چاند لے چکا ہوں

تمہیں بتاؤں یہ راز کیا ہے؟
نشیب کیا ہے فراز کیا ہے؟
جو دے سکے اس سے مانگتا ہوں
میں ایک ہی در سے آشنا ہوں
وہ اب بھی دے گا وہ اب بھی دیگا!

ربوہ کی فضاؤں میں

وہ گونجی ہے اذاں دیکھ

بینا ہے اگر آنکھ تو قدرت کا نشاں دیکھ
فرصت ہو تو آ کر ذرا ربوہ کا سماں دیکھ
ہر سمت ہیں بہتے ہوئے انوار کے دھارے
جنت کے نظارے ہیں بہر گام عیاں دیکھ
ہر ذرہ یہاں عظمتِ باری کا ہے شاہد
اِن ریت کے ذروں پہ مسلّط ہیں نشاں دیکھ
العظمة للّٰہ کی تفسیر ہے ہر دل
ربوہ کی فضاؤں میں وہ گونجی ہے اذاں دیکھ
یہ وادیٔ پُر نور یہ کہسار یہ میداں
اللہ کی رحمت کے چمکتے ہیں نشاں دیکھ
جس نور سے معمورۂ عالم ہے منور
اُس نور کی اِک شمع فروزاں ہے یہاں دیکھ
صد حیف کہ تو اب بھی ہے پابستۂ اوہام
پہنچا ہے کہاں قافلۂ بے خبراں دیکھ

جناب سید ... احمد (ربوہ)

جناب (لفٹیننٹ کرنل ریٹائرڈ) سردار محمد حیات قیصرانی

دہلی کا شاہی دربار (سنہ ۱۹۲۲ء)

دہلی ہندوستان کا قدیم پایۂ تخت ایک عجیب شان سے سجا ہوا تھا۔ وائسرائے ہند نے کھڑے ہو کر شاہی دربار پر ناقدانہ نگاہ ڈالی۔ ہندوستان کے والیانِ ریاست اور عمائد ملک زرق برق لباسوں میں ملبوس اپنی اپنی جگہوں پر بیٹھے قیصرِ ہند، تاجدارِ برطانیہ جارج پنجم کے ولی عہد شہزادے کا انتظار کر رہے تھے۔ وائسرائے ہند کو احساس ہوا کہ دربار میں بیٹھا ہوا ایک بلوچ سردار کچھ ایسے انداز سے بیٹھا ہے کہ اس کی پشت "شہزادہ سلامت" کی تخت گاہ کی طرف ہو رہی ہے اور ایسا کرنا آدابِ شاہی کے خلاف تھا۔ گورنر پنجاب نے بتایا کہ آدابِ شاہی سے بے نیاز یہ بلوچ سردار، سردار امام بخش خان تمندار قیصرانی ہے۔ وائسرائے ہند کی ہدایت پر گورنر پنجاب سردار صاحب کی طرف آئے اور کہا کہ جس انداز سے سردار صاحب بیٹھے ہوئے ہیں یہ آدابِ شاہی کے خلاف ہے۔ سردار صاحب نے جواباً کہا کہ انہیں آدابِ شاہی کا بخوبی احساس ہے لیکن جب وہ اپنی کرسی پر بیٹھ چکے تھے تو انہیں معلوم ہوا کہ ان کے پیچھے بیٹھے ہوئے حضرت صاحبزادہ مرزا محمود احمد صاحب ہیں جو مامور یزدانی حضرت مرزا غلام احمد قادیانی (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کے فرزند و جانشین ہیں۔ اس لئے وہ (سردار صاحب) احتراماً کچھ اس انداز سے بیٹھے کہ ان سے صاحبزادہ موصوف کی طرف ان کی پیٹھ نہ ہو۔

گورنر پنجاب، سردار صاحب کے جواب سے برہم ہوئے اور کہا کہ دربار شاہی کے انعقاد کی اصل غرض ہی تاجدار برطانیہ کے ولی عہد شہزادہ ویلز کو خراجِ عقیدت پیش کرنا تھی اور ولیعہد شہزادہ کی ذات ہی بلا شرکت غیر باعثِ صد تکریم تھی۔ اصولی طور پر سردار صاحب شہزادہ ویلز کے مقام عز و جاہ سے بخوبی واقف تھے لیکن دربار میں بیٹھے ہوئے سردار صاحب کا ذہن ایک عجیب کش مکش کا شکار ہو رہا تھا۔ ایک طرف شہزادہ ویلز کی تخت گاہ تھی جس پر شہزادہ موصوف رونق افروز ہونے والے تھے تو دوسری طرف شاہ لولاک (صلی اللہ علیہ وسلم) کے خادم مملکتِ آسمانی کے تاجدار مسیح الزمان، مہدی دوراں کا جانشین شہزادہ تھا۔ ایک طرف "تن کی دنیا" کے ثقیل ضوابط اور ضوابط کے بوجھل جھکاؤ تھے تو دوسری طرف "من کی دنیا" کی لطیف و

پُرکیف راشد ہاشمی!

بارِ گراں

سردار صاحب کے گوشۂ ذہن میں ماضی کی یادیں ابھرنے لگیں۔ انہیں وہ دن یاد آئے جب وہ انگریز سرکار کے حکم سے جلاوطن کئے گئے۔ جلاوطنی کے ایام میں وہ اپنے اہل و عیال سمیت قریہ بقریہ بے سہارا و بے آسرا پھرے۔ لیکن کہیں مونس و مددگار نہ پایا۔ دور دراز کی دشت نوردی اور آبلہ پائی کے بعد وہ تھکے ماندے مسیحؑ کے دروازے تک پہنچے اور طالب دعا ہوئے۔ دردآشنا مسیحؑ نے سردار صاحب اور ان کے اہل و عیال کو اپنے ہی گھر میں اتارا۔ بے سہاروں کو سہارا ملا۔ بے آسروں نے آسرا ڈھونڈا۔ دنیاوی بادشاہت کو ٹھکراتے ہوئے شاہِ دین کی امان میں آگئے۔ مسیحؑ کے خُلقِ عظیم نے سردار صاحب کو اپنا گرویدہ بنا لیا۔ سردار صاحب ہمیشہ کے لئے دامنِ مسیحؑ سے وابستہ ہوگئے۔ مسیحؑ نے اپنی دعاؤں کی برکتوں سے سردار صاحب کو مالا مال کر دیا۔ دامن تہی بھر دیا گیا۔ مسیحؑ نے جو مژدۂ فتح جلاوطنی کے ایام میں سردار صاحب کو سنایا تھا وہ پورا ہوا۔ سردار صاحب قیصرانی قبیلہ کے تمندار بنے اور بلوچوں کے سردار کہلائے۔ مسیحؑ کی غلامی نے انہیں تختِ سرداری بخشا۔ مسیحؑ کے پے در پے اور ان گنت احسانات ان کی نگاہوں سے گزرے وہ چونک اٹھے۔ مسیحؑ کے فرزند و جانشین کو دربارِ شاہی میں بیٹھے دیکھا تو سردار صاحب کے سمندرِ دل میں مسیحؑ کے احسانوں کی یادیں تلاطم بن کر ابھریں۔ ایک بلاخیز طوفان اٹھا جس سے دنیاوی جاہ و حشمت کے دیرینہ اور مستحکم تودے اپنی جگہوں سے ہل گئے۔ سیاسی اقتدار کی رفعتیں سرنگوں ہونے لگیں۔ شہزادہ ویلز کی تختگاہ بے حقیقت سی دکھائی دینے لگی۔ سردار صاحب دفعتاً کھڑے ہوگئے۔ اپنی چادر کندھے پر رکھی اور گورنر صاحب سے یوں مخاطب ہوئے:۔

"گورنر صاحب! میں آپ کی برہمی کو سمجھ گیا ہوں۔ پہلے بھی انگریز سرکار مجھ سے برہم ہوئی تھی مجھے جلاوطن کیا۔ جلاوطنی کے دوران حضرت مرزا غلام احمدؑ قادیانی (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کا گھر ہی میرے لئے اور میرے اہل و عیال کے لئے جائے پناہ بنا۔ میں نے وہیں امان کی جگہ پائی۔ میں ان کے زیرِ بارِ احسان ہوں۔ مجھے ان کے احسانوں کا پاس ہے۔ میں آج دربار میں حضرت مرزا صاحب (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کے فرزند و جانشین صاحبزادہ موصوف کی طرف پیٹھ کئے ہوئے نہیں بیٹھ سکتا۔ ایسا کرنا ان احسانوں کی توہین ہے جو مجھ پر

کیئے گئے۔ گزرتا ہوا وقت احسانوں کی قدر و منزلت کو کم نہیں کیا کرتا۔ بلوچوں کی احسان شناسی ضرب المثل ہے۔ مَیں کیونکر احسان فراموش بن کر دربار میں بیٹھ سکتا ہوں؟ اگر ممکن ہو تو میری کرسی صاحبزادہ موصوف کے پیچھے ڈال دی جائے وگرنہ مجھے اجازت دیں۔ مَیں خود ہی دربار سے باہر چلا جاؤں۔ دنیاوی عزت کے بغیر مَیں پھر بھی جی لوں گا۔"

سردار صاحب کا اُٹھنا تھا کہ ڈیرہ جات کے سب بلوچ سردار کھڑے ہو گئے اور دربار سے باہر جانے کے لئے تیار ہو گئے۔ یہ صورت حال دیکھ کر وائسرائے ہند گھبرا گئے۔ نیچے آئے اور مداخلت کی۔ وائسرائے ہند نے تمام سرداروں کو دربار میں بیٹھنے کے لئے کہا۔ لیکن سر نواب میر بہرام خان تمندار مزاری (جناب میر بلخ شیر صاحب سردار مزاری کے دادا محترم) سینہ سپر ہو گئے۔ بالآخر بلوچ سرداروں نے اسی شرط پر بیٹھنا منظور کیا کہ حضرت صاحبزادہ مرزا محمود احمد صاحب کی کرسی بلوچ سرداروں سے آگے رکھی جائے۔ شاہی دربار میں فوری تبدیلی بظاہر ناممکن اور انگریز قوم کی روایات کے خلاف تھا لیکن وقت کی نزاکت کا احساس کرتے ہوئے وائسرائے ہند مجبور ہو گئے۔ اُن کے لئے کوئی چارہ نہ رہا۔

چنانچہ وائسرائے ہند خود آگے بڑھے اور حضرت صاحبزادہ صاحب سے درخواست کی کہ وہ آگے تشریف فرما ہوں ان کی کرسی بلوچ سرداروں سے آگے رکھ دی جائیگی۔ وہ کھڑے ہوئے تو ہر ایک نے مسیحؑ کے حسین و جمیل شہزادہ کو دیکھا جو موعود مسیحؑ کا روپ لئے ہوئے تھا۔ دربار میں ہلچل مچ گئی۔ ہر ایک حقیقتِ حال سے واقف ہو گیا۔ ایک بلوچ سردار کے احسان شناس دل کی تڑپ باعث بنی۔ تماشہ تو بہنا لیکن ساتھ ہی مسیحؑ کے احسانوں کی توثیق کر گئی۔ اس نظارہ سے مثیلِ مسیحؑ خود لطف اندوز ہو رہے تھے۔ بھرے دربار نے دیکھا کہ ایک کرسی شاہِ دینؑ کے شہزادہ کے لئے آگے رکھی جا رہی تھی اور اس کے پیچھے ایک بیقرار دل کو قرار آ رہا تھا۔ اتنے میں شہزادہ ویلز کی آمد کی منادی ہوئی۔ سازوں کے تار مرتعش ہوئے۔ فضائیں مترنم ہوئیں — "شہزادہ سلامت" دربار میں تشریف لائے اور دربار کی باقی ماندہ کارروائی کا آغاز ہوا —————،

حرفِ آخر

آج پھر جنہیں احسانوں کا پاس ہے ان کے لئے راہِ حیات تنگ ہے۔ اُن میں سے بیشتر قریہ بہ قریہ بے سہارا و بے آسرا پھر رہے ہیں۔ وہ اپنے ہی وطنوں میں بے وطن ہیں۔ شاید وفا کی یہی راہ ہے۔ اکیلی۔ دشوار اور کٹھن!

لیکن احسانوں کا پاس رکھنے والو! تم گھبراؤ نہیں۔ دامنِ مسیحؑ سے وابستہ رہو۔ مسیحؑ کے اقدس کو اختیار کرو۔ قادر کائنات سے مایوس نہ ہو۔ تمہارا شاکر و علیم خدا تمہیں ان اکیلی دشوار اور کٹھن راہوں پر ہی ملے گا۔ چلتے چلے جاؤ۔ دنیاوی شہزادوں کی تخت گاہوں سے مرعوب نہ ہو۔ مسیحؑ کی تعلیم کو اپناؤ ——— ہاں! تمہیں شاہِ دینؑ کے جانشین کی عزت کا پاس رہے۔

تمہاری سرگذشت تاریخِ انسانی کا با معنی باب ہے۔ تمہارے ساتھ تہذیبِ انسانی وابستہ ہے۔ تمہارے ساتھ انسانیت وابستہ ہے۔ اگر تم مٹ گئے تو انسانیت کی روح مٹ جائے گی ——— تہذیبِ انسانی سے شرافت مٹ جائے گی ——— اور تاریخ ایک

بے معنی قصوں کا پلندہ رہ جائے گی ـــــــ تم رہو گے ـــــــ زندہ رہو گے ـــــــ اور تابندہ رہو گے ـــــــ انشاء اللہ العزیز!

تمکنت فی الارض تمہارے لئے مقدر ہو چکی ہے اپنی تقدیر سے منہ نہ موڑو ـــــــ اپنے اسلاف کے نقوش پا سے اپنی راہوں کا تعین کرو۔ اُن کی آبلہ پائی کی قدر کرو۔ ان کی غربت اور دشت نوردی کو حقارت سے نہ دیکھو۔ انہوں نے مشکلات سے گزر کر ہی مقصود حیات پایا۔ دشت نوردی نے انہیں وسعت صحرا سے مانوس کیا اور ان کے قلوب کو وسعت صدعالم بخشی۔ تم مشکلات سے گھبراؤ نہیں۔ مشکلات کا خندہ پیشانی سے استقبال کرو۔ مشکلات کو سر کرنے کا عزم پیدا کرو۔ ہمیشہ دعا گو اور طالب دعا رہو ـــــــ!

یقین جانو۔ ایک دن تمہارا خدا تمہاری مشکلات کو نوازے گا نعمتوں سے ـــــــ برکتوں اور احسانوں سے۔ کیونکہ اس ذات قدوس کو بھی اپنے وعدوں کا پاس ہے ـــــــ تمہارے اندر میرے تصورات سے کہیں زیادہ ـــــــ!!

خلافت جوبلی علم انعامی :

خدام الاحمدیہ مرکزیہ برائے سال ۱۳۵۳-۵۴ ہش ۱۹۷۴-۷۵ء

سیدنا حضرت امیر المؤمنین خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے جلسہ سالانہ ۱۹۷۵ء کے دوسرے روز مؤرخہ ۲۷ فتح / ۲۷ دسمبر دوسرے اجلاس سے قبل خدام الاحمدیہ میں سال ۱۳۵۳-۵۴ ہش ۱۹۷۴-۷۵ء کارکردگی اور مستعدی کے لحاظ سے اول آنے والی مجلس سوسائٹی کراچی کو ازراہ شفقت اپنے دست مبارک سے خلافت جوبلی علم انعامی عطا فرمایا۔

حسن کارکردگی میں مجلس خدام الاحمدیہ شاہدرہ لاہور دوم اور مجلس خدام الاحمدیہ لائلپور سوم قرار پائی۔

اللہ تعالیٰ یہ اعزاز تینوں مجالس کے لئے مبارک کرے اور معیار کارکردگی پہلے سے بلند تر کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

(معتمد مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ ربوہ)

مقابلہ قیادت ہائے اضلاع کا نتیجہ

سال ۵۳-۱۳۵۴ ہش (۷۵-۱۹۷۴ء) میں کارکردگی کے لحاظ سے قیادت ہائے اضلاع خدام الاحمدیہ میں مجلس خدام الاحمدیہ ضلع لاہور اول۔ مجلس خدام الاحمدیہ ضلع ہزارہ دوم ـ اور مجلس خدام الاحمدیہ ضلع کراچی سوم قرار پائی ہے۔ اللہ تعالیٰ یہ اعزاز مبارک کرے اور کارکردگی کا معیار بلند تر کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

(معتمد مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ۔ ربوہ)

یہ ایک ایسا سوال ہے جس نے موجودہ زمانے کے انسان کو پریشان کر دیا ہے۔ کمپیوٹر ہر موڑ پر اسے شکست دے کر اس کی جگہ لے رہے ہیں کیونکہ وہ متعدد انسانوں کا کام ان سے زیادہ حسن و خوبی اور تیزی سے سرانجام دے لیتے ہیں۔ خرچ کم، غلطی محال، تساہل و تھکاوٹ وغیرہ ایسی انسانی کمزوریوں کا وجود ہی نہیں۔ معمول کے مطابق کرنے والے تمام کام کمپیوٹر کر سکتے ہیں۔ یہاں تک کہ بعض امریکی ماہرین کے خیال میں ملک کے صدر کا عہدہ بھی کسی زمانے میں کمپیوٹر کے حوالے کیا جا سکے گا اور انسان صرف ہنگامی حالات میں مداخلت کرنے کی ضرورت محسوس کرے گا۔

امریکی درسگاہ ایم آئی ٹی میں ایک کمپیوٹر — "ٹیک نمبر۲ (Tech II) نامی موجود ہے جسے شطرنج کھیلنا سکھایا گیا ہے۔ ماہرین ذہانت کے خیال میں شطرنج ایک ایسا کھیل ہے جس میں ذہن کا انتہائی استعمال ہوتا ہے لہٰذا اسے ذہانت کے پیمانے کے طور پر استعمال کیا جا سکتا ہے۔ ویسے بھی ملکوں اور حکومتوں کے درمیان مقابلوں میں شطرنج کی چالوں کی طرز پر چالیں چلی جاتی ہیں۔ لطف کی بات یہ ہے کہ ٹیک نمبر۲ نہ صرف شطرنج کھیل سکتا ہے بلکہ ساتھ ساتھ اپنی غلطیوں کی اصلاح بھی کرتا جاتا ہے یعنی ایک دفعہ جو غلطی ہو جائے وہ دوبارہ کبھی نہیں کرتا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ اب اسے ہرانا مشکل ہو گیا ہے اور وہی انسان جنہوں نے اسے شطرنج سکھائی تھی اب اس کے آگے بے بس ہیں۔

ٹیک نمبر۲ کی اس طاقت کی وجہ تو یہ ہے کہ وہ بھولتا نہیں لیکن بڑی وجہ یہ ہے کہ اس کے حساب کرنے کی رفتار انسان سے کوئی دس لاکھ گنا زیادہ ہے۔ یعنی جو حساب

جناب سید احمد بشیر - انجینئر انچارج نیو کیمپس ربوہ

وہ ایک منٹ میں کر لیتا ہے۔ انسان کو اس کے لئے ایک سال درکار ہے۔ اسی لئے جہاں غریب انسان صرف چند ایک چالیں سوچتا ہے وہاں ٹیک بک تمام ممکنہ چالوں کا حساب چند سکینڈ میں لگا کر کامیاب ترین چال چل جاتا ہے۔

آیئے اب ہم قدرے تفصیل سے کمپیوٹر کا مطالعہ کرتے ہیں۔ اس کے بنیادی طور پر پانچ حصے ہیں جیسا کہ خاکے سے ظاہر ہے۔

کمپیوٹر کو ہدایات بالکل اسی طرح دی جاتی ہیں جس طرح — انسان کو کوئی کام کرنے کے بارہ میں بتایا جاتا ہے۔ صرف یہ خیال رکھنا ہوتا ہے کہ ہدایات مکمل ہیں۔ کمپیوٹر از خود کوئی راہ نکال لینے کی اہلیت نہیں رکھتا اس نے وہی کرنا ہے جو اسے بتایا گیا ہے۔ مثلاً اگر ہم، کمپیوٹر کو دو ہندسوں کے جمع کرنے کے بارے میں ہدایات دینا چاہتے ہیں تو وہ مندرجہ ذیل ہوں گی:۔

10 Read X,Y (2F6)	X اور Y کی قیمتیں پڑھو
20 X+Y = Z	دونوں کو جمع کرو
30 Write Z (F6)	جواب لکھو
GO TO 10	واپس ہدایت ۱۰ پر جاؤ اور X اور Y کی نئی قیمتیں پڑھو
END	جب X اور Y کی تمام قیمتیں ختم ہو جائیں تو کام بند کرو
REQ	پورے پروگرام کا ترجمہ کرنے کے بعد اسے عملی جامہ پہناؤ۔

10، 20 اور 30 ہدایات کے نمبر ہیں۔ 2F6 اور F6 کا مطلب ہے کہ X، Y اور Z چھ ہندسوں سے تجاوز نہیں کریں گے۔ اس لئے کمپیوٹر ان کے لئے سٹور میں چھ ہندسوں کی جگہ مخصوص کر دے گا۔ پروگرام کی ہر ہدایت مثلاً READ، WRITE، GO TO اور END کے مقابل پر کمپیوٹر میں ایک سرکٹ موجود ہے جو ہدایت ملنے پر اپنا کام شروع کر دیتا ہے۔ یہ ہدایات ایک ٹائپ رائٹر کی طرز کی مشین کے ذریعہ جسے "کارڈ پنچ" (Card Punch) کہتے ہیں۔ کمپیوٹر کارڈوں میں منتقل کر دی جاتی ہیں۔ ہر کارڈ پر ایک ہدایت ٹائپ ہوتی ہے اور ہر حرف اور ہندسے کے نیچے ایک خاص ترتیب سے سوراخ بھی ہوتے جاتے ہیں۔ ان سب کارڈوں کے آخر میں وہ کارڈ شامل کر کے جن پر X اور Y کی قیمتیں درج ہیں ایک "کارڈ ریڈر" (Card reader) میں رکھ دیا جاتا ہے۔ کارڈ ایک ایک کر کے مشین میں سے گزرتے جاتے ہیں اور سوراخوں میں سے گزر کر آنے والی روشنی کی ترتیب سے کمپیوٹر حروف اور ہندسے پہچان لیتا ہے۔ یہ ہدایات اور X اور Y کی قیمتیں کمپیوٹر سٹور کر لیتا ہے اور پھر اس کا کنٹرول یونٹ ایک ایک کر کے ہدایات پر عمل کرتا جاتا ہے۔ جوابات ایک "لائن پرنٹر" (Line Printer) کو بھیج دیئے جاتے ہیں جو کہ ایک انتہائی تیز رفتار ٹائپ رائٹر کی طرز کی مشین ہے

جو بیک وقت ایک پوری لائن پرنٹ کرتی ہے۔

یہ تو ایک آسان پروگرام تھا۔ مشکل پیچیدہ کاموں میں کمپیوٹر حساب کتاب کے نتیجے میں حاصل ہونے والے جوابات کے مطابق فیصلے کرتا ہے اور مختلف راہوں میں سے ایک کا انتخاب کرتا ہے۔ کمپیوٹر میں جو حساب استعمال کیا جاتا ہے۔ اس کے صرف دو ہی ہندسے ہیں۔ صفر اور ایک۔ اس کو فروغ دینے والا سترہویں صدی کا مشہور حساب دان اور فلاسفر لیبنز (Leibnitz) تھا۔ اس کے خیال میں اکائی خدا کو ظاہر کرتی تھی اور صفر باقی فانی دنیا کو۔ کمپیوٹر میں اس حساب کو استعمال کرنے کا مقصد یہ ہے کہ غلطی کا امکان بالکل نہ رہے۔ ہر پرزہ صرف دو ممکن حالتوں (ON یا OFF) میں سے ایک میں رہتا ہے۔ کوئی تیسری صورت ممکن ہی نہیں۔ اس حساب میں استعمال ہونے والے ہندسے جدول میں دیئے گئے ہیں۔

8421	
0000	0
0001	1
0010	2
0011	3
0100	4
0101	5
0110	6
0111	7
1000	8
1001	9
1010	10
1011	11
1100	12
1101	13
1110	14
1111	15

کمپیوٹر کا کوئی ہندسہ عام ہندسے میں تبدیل کرنے کا طریق یہ ہے کہ اوپر دی گئی طاقتوں 8، 4، 2، 1 میں سے جن کے نیچے اکائی ہو انہیں جمع کر لیا جائے۔ جیسے پانچ کے ہندسے میں چار اور ایک کے نیچے اکائی ہے اور چار اور ایک کو جمع کریں تو جواب پانچ ہے۔

میں چار اور دو سے نیچے۔

جمع کے اصول یہ ہیں :-

0 + 0 = 0
0 + 1 = 1
1 + 0 = 1
1 + 1 = 0 (اور اکائی زائد)

(زائد اکائی اگلے ہندسوں میں جمع کی جاتی ہے) مثلاً اگر پانچ اور چھ کو جمع کریں تو یہ صورت ہوگی :-

5 = 0101
6 = 0110
————
1011 = 11

لطف کی بات یہ ہے کہ کمپیوٹر میں صرف جمع کا سرکٹ ہی باقی تمام کام یعنی ضرب، تقسیم اور تفریق سرانجام دیتا ہے۔ ضرب اس طرح ہوتی ہے کہ اگر پانچ کو چھ سے ضرب دینی ہو تو پانچ کا ہندسہ چھ مرتبہ جمع کریں۔ جواب تیس آ جائے گا۔ تقسیم کرنے کے لئے تیس میں سے پانچ نکالتے جائیں۔ یہ چونکہ چھ مرتبہ نکلتا ہے اس لئے جواب چھ ہے۔ تفریق کے لئے جو نمبر نکالنا مقصود ہو اس کے ہندسے الٹ دیئے جاتے ہیں۔ یعنی صفر کی جگہ اکائی اور اکائی کی جگہ صفر۔ پھر اسے دوسرے نمبر میں جمع کر دیا جاتا ہے اور جو زائد اکائی بائیں طرف نکلے اسے جواب میں جمع کر دیا جاتا ہے۔ مثلاً اگر سات (0111) میں سے پانچ (0101) نکالنا مقصود ہے تو پانچ الٹ دیں (1010) اور سات میں جمع کر دیں۔ زائد اکائی جواب میں جمع کر دیں۔ جواب 0010 (دو) حاضر ہے۔

0111
1010
————
زائد - 0001
1
————
0010 = 2

فیصلہ جات کے لئے ایسے سرکٹ استعمال کئے جاتے ہیں جن میں داخل ہونے والی تمام تاریں جب تک اکائی پر نہ ہوں جواب

صفر رہتا ہے۔ اسے "اینڈ گیٹ" (And gate)
کہا جاتا ہے۔ اس قسم کے بے شمار سرکٹ آپس جوڑنے کے
بعد ایسے سرکٹ تیار ہو جاتے ہیں جو جوابات جانچنے کی اہلیت
رکھتے ہیں اور ان کی کمی بیشی کے مطابق مختلف فیصلے کر سکتے ہیں

اس ترقی یافتہ زمانے میں انسان کمپیوٹر سے بے
شمار کام لے رہا ہے۔ بڑے بڑے کاروباری اداروں اور عظیم
کارخانوں میں ملازمین اور مزدوروں کی ماہوار تنخواہوں کا
حساب کمپیوٹر لگاتا ہے۔ ان سب کے کوائف اس میں محفوظ
ہوتے ہیں۔ ہر مزدور نے جتنے دن کام کیا ہے جتنی چھٹیاں
کی ہیں۔ جس جس فنڈ میں پیسے دینے ہیں۔ جتنا ٹیکس ادا
کرنا ہے۔ جس قرضہ کی قسط دینی ہے اور اسے جو بونس ملتا
ہے اس کے مطابق اس کی تنخواہ کا حساب کر دیا جاتا ہے۔
اتنا بڑا ریکارڈ رکھنا اور اتنا زیادہ حساب اتنی جلدی کرنا انسانی
طاقت سے یقیناً باہر تھا اور غلطی کا امکان بھی بہت زیادہ
تھا۔ پھر بڑے بڑے بینکوں کی لاکھوں حساب داروں کا
مکمل حساب کمپیوٹر میں موجود رہتا ہے۔ جب بھی وہ
کوئی رقم جمع کرتے یا نکالتے ہیں ان کے حساب میں فوراً
اس کے مطابق تبدیلی ہو جاتی ہے۔ ملک کے تمام اکاؤنٹ
ہولڈروں کا حساب ایک مرکزی کمپیوٹر میں موجود ہوتا ہے
اور ملک میں اس بینک کی تمام برانچیں اس کمپیوٹر سے متعلق
ہوتی ہیں تاکہ جہاں کہیں بھی کوئی رقم جمع ہو یا نکلوائی جائے
اس کا فوراً اندراج ہو جائے اس وجہ سے حساب دار
ملک کے کسی بھی مقام سے فوری طور پر چیک کیش کرا سکتے
ہیں۔ چیک کے وصول ہوتے ہی فوراً کمپیوٹر سے رابطہ
قائم کیا جاتا ہے اور تین منٹ میں جواب حاضر ہوتا ہے

اس کے علاوہ دنیا کے اکثر بین الاقوامی ہوائی اڈوں
پر نشستیں محفوظ کرانے (یعنی سیٹوں کی ریزرویشن) کا
کام بھی کمپیوٹر کرتے ہیں۔ تمام آنے جانے والے جہازوں اور
ان میں باقی بچی ہوئی سیٹوں کا حساب ان کے پاس ہوتا ہے
جب مسافر اپنی منزل اور روانگی کا وقت بتاتا ہے تو کمپیوٹر
سب سے موزوں جہاز میں اس کی نشست محفوظ کر دیتا ہے

جدید زمانے کے کارخانے بھی کمپیوٹر چلاتے ہیں
کئی کمپیوٹر ایک بڑے کمپیوٹر کے تحت کام کرتے ہیں اور
ان میں سے ہر ایک اپنا اپنا طریق کار اچھی طرح جانتا ہے
کوئی پرزے بنانے میں لگا ہوا ہے۔ کوئی انہیں جوڑنے پر
مامور ہے کوئی ان کا معیار (کوالٹی) جانچتا ہے۔ انسان
کا کام صرف انہیں خام مال پہنچانا اور تیار مال لے جانا ہوتا ہے

اس کے علاوہ ان کی دیکھ بھال پر بھی چند انسان مقرر ہوتے ہیں اب تو ایسے کمپیوٹر بھی ایجاد ہو چکے ہیں جو دوسرے کمپیوٹروں کی دیکھ بھال اور مرمت کر سکتے ہیں اور طرہ یہ ہے کہ کمپیوٹر بنانے کا کام بھی کمپیوٹر ہی کرتے ہیں۔

ایک اہم کام جو کمپیوٹر نے انجام دیا ہے وہ زبانوں کے ترجمے کا ہے۔ ترجمے کے اصول اسے سمجھا دیئے جاتے ہیں اور کتاب اس کے حوالے کر دی جاتی ہے۔ چند گھنٹوں میں ترجمہ تیار ہو جاتا ہے۔ اس کام میں اصل مشکل یہ ہے کہ ہماری زبانیں قواعد کے مطابق نہیں چلتیں اور ان میں استثناء بہت زیادہ ہیں خاص طور پر ضرب الامثال اور محاورے تو کمپیوٹر کو کہیں کا نہیں چھوڑتے۔ وہ لفظ بہ لفظ ترجمہ کرتا ہے اور ہنسی مذاق کا نشانہ بنتا ہے۔ اب تک صرف تکنیکی مواد کے تراجم زیادہ کامیاب رہے ہیں کیونکہ ان میں صرف مطلب پہنچانا مدنظر ہوتا ہے نہ کہ ادبی بازیگیاں۔

اس ضمن میں کمپیوٹر سے ایک اہم کام یہ بھی لیا جا رہا ہے کہ جن گزشتہ تحریروں کے مصنفین کے بارہ میں اختلاف موجود ہے اسے دور کیا جا رہا ہے ہر مصنف کی اپنی ایک طرز تحریر ہوتی ہے اور بعض تراکیب و الفاظ اکثر اس کی تحریر میں پائے جاتے ہیں۔ کمپیوٹر اختلافی تحریروں سے تمام ایسی تراکیب نکال لیتا ہے اور ان کا موازنہ جملہ مصنفین کی تحریروں سے کرتا ہے۔ اس سلسلہ میں ایک اہم تجربہ ۱۹۶۳ء میں نئے عہد نامہ پر کیا گیا جس کے ۲۱ میں سے ۱۴ ابواب کے بارے میں سمجھا جاتا تھا کہ سینٹ پال کے لکھے ہوئے ہیں مگر یہ مسئلہ اختلافی تھا۔ جب کمپیوٹر کے ذریعہ موازنہ کیا گیا تو معلوم ہوا کہ صرف پہلے پانچ باب سینٹ پال کے لکھے ہوئے ہیں اور باقی نو ابواب میں کم از کم پانچ دوسرے اشخاص کا دخل ہے

سائنسی تحقیق میں بھی کمپیوٹر پیچھے نہیں ہے اس وقت سب سے زیادہ دلچسپی انسان کو دو چیزوں میں ہے۔ ایک تو یہ کہ مادہ کس چیز سے بنا ہے اور دوسری یہ کہ زندگی کس چیز سے بنی ہے۔ ان دونوں میدانوں میں موجودہ ترقی کمپیوٹر کے بغیر ناممکن تھی۔ جب ذرہ توڑا جاتا ہے تو کئی اجزاء صرف چند ثانیوں میں پیدا ہوتے ہیں پھر ختم ہو جاتے ہیں ان چند ثانیوں میں کمپیوٹر حساب لگا کر بتلا دیتا ہے کہ وہ کون سے اجزاء تھے۔ اسی طرح زندگی کی جو بنیادی اجزاء ہیں ان کا پتہ لگانا بھی کسی اور طریق سے ناممکن تھا۔ اب یہ کیا جاتا ہے کہ کسی چیز کے بارے میں ایک قیاس قائم کر کے اس سے متعلقہ تمام حساب کتاب کمپیوٹر پر کیا جاتا ہے اور حاصل ہونے والا جواب تجربے کی روشنی میں پرکھا جاتا ہے۔ اس کے باوجود آپ یہ سن کر حیران ہوں گے کہ وٹامن B12 کا فارمولا $C_{63}H_{88}O_{14}PCo$ بیس برس کی متواتر تحقیق کے بعد کہیں جا کر معلوم ہوا۔

اس میدان میں یہ تحقیق بھی ہو رہی ہے کہ قدرت میں نسل در نسل ساخت، عادات و خصائل وغیرہ کے بارے میں معلومات کیسے منتقل ہوتی ہیں۔ اس میں دلچسپ بات یہ ہے کہ یہی مسئلہ ہمیں کمپیوٹر کے بنانے میں درپیش ہے یعنی زیادہ سے زیادہ معلومات کیسے کم سے کم جگہ میں محفوظ کی جائیں۔ ایک انسان کے جسم میں ایسی معلومات کے تقریباً دس کھرب (10^{15}) یونٹ ہوتے ہیں جبکہ موجودہ کسی بڑے سے بڑے کمپیوٹر کی استعداد صرف [illegible] ہے پھر یہ کہ قدرت کا معلومات محفوظ کرنے کا طریق بڑا ہی سستا اور قابل اعتماد ہے صرف چند سو ذرات ایک یونٹ کے محفوظ کرنے کے لئے کافی ہوتے ہیں اور یہ ذرات مختلف کیمیائی عملوں میں سے گذرنے کے باوجود اپنی

بتیسواں سالانہ
اجتماع
مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ
انشاء اللہ العزیز
مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ کا بتیسواں سالانہ اجتماع مورخہ ۱۸ اپریل ۱۹۷۲ء بروز اتوار ایک دن کیلئے مرکز سلسلہ میں منعقد ہوگا
ہمارے سالانہ اجتماع میں حسب ذیل اہم پروگرام ہوں گے:-
درس قرآن مجید • درس حدیث • سیدنا حضرت امیر المؤمنین خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے روح پرور ارشادات • ذکر حبیب • مجلس شوریٰ کا اجلاس
کا تفصیلی اعلان کسی اور صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں) • تقاریر علمائے سلسلہ
خدام اس تربیتی موقعہ سے کما حقہ استفادہ کریں اور مرکز سلسلہ سے وابستہ برکات سے مستفیض ہونے کیلئے اس اجتماع میں شریک ہو کر علمی و روحانی تربیت حاصل کریں!
مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ

بلتستان

جناب چوہدری منیر احمد [illegible]

بلتستان کا نام تو آپ نے پہلے بھی کئی بار سُنا ہوگا لیکن اس خطّے کی دفاعی اہمیت، معاشرتی زندگی، یہاں کے عجیب وغریب رسم ورواج، سیاسی حالات اور جدید اصلاحات کے اتار چڑھاؤ سے آگاہی شاید زیادہ نہ ہو۔

محلِّ وقوع

یہ خطّہ کشمیر کی جنگ بندی لائن کے شمال میں واقع ہے اور محلِّ وقوع کے لحاظ سے غیر معمولی اہمیت کا حامل ہے۔

اس کی شمالی سرحد پر ایک طرف روس کی وسیع سلطنت ہے اور دوسری طرف چین۔ مغرب میں گلگت و غیرہ، مشرق کی طرف بھارت اور جنوب کی طرف سے پاکستان کے ساتھ اس کا تعلق ہے۔ یہ سارا علاقہ بلند پہاڑوں پر مشتمل ہے سطح سمندر سے بلندی کہیں چار ہزار کہیں آٹھ ہزار کہیں بارہ ہزار

اور [illegible] سولہ ہزار فٹ تک [illegible] (دنیا کی چھت) کا نام دیا تھا۔ دنیا کی بعض بلند ترین چوٹیاں اسی خطہ اور بعض ملحقہ خطوں میں پائی جاتی ہیں۔ مثلاً کے ٹو K-2 (۲۸۲۲۹ فٹ) بلتستان کے علاقہ شگر میں واقع ہے راکا پوشی (۲۵۵۵۰ فٹ) علاقہ گلگت اور ناگا پربت (۲۶۶۶۰ فٹ) علاقہ چلاس میں واقع ہے۔

قدرتی مناظر [illegible] گنگناتی ندیاں، دلکش وادیاں [illegible] چوٹیاں [illegible] کی طرح شاداب اور [illegible] دنیا کے مختلف گوشوں سے [illegible] ہزاروں سیاح آتے ہیں اور ان بلند پہاڑوں کی چوٹیوں کو سر کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

ان بلند قامت پہاڑوں کے اندر معدنی دولت کے وافر ذخائر موجود ہیں۔ ابرق، سنگ مرمر، خام لوہا، میگنیز

اور بعض دوسری رعایتیں بھی ہیں۔ ذرائع آمدورفت کے ناقص ہونے کی وجہ سے ان کو نکالنے کا فی الحال بندوبست نہیں ہوسکا

ذرائع آمدورفت

آج سے ۱۶-۱۷ سال پہلے اس سارے علاقہ کا گلگت اسور سمیت مغربی پاکستان کے ساتھ رابطہ صرف ایک سڑک کے ذریعہ قائم تھا۔ جو ایبٹ آباد، مانسہرہ اور ناران کاغان سے ہوتی ہوئی چلاس، گلگت، ہنزہ وغیرہ بلتستان کی طرف سرحد تک جاتی تھی۔ یہ سڑک بھی صرف چھوٹی جیپوں کے چلنے کے لئے کافی تھی۔ بلتستان کے سارے علاقہ میں پیدل یا خچروں کے چلنے کے لئے راستے تھے کوئی جیپ یا چھوٹی گاڑی نہیں جا سکتی تھی۔ سردیوں کے موسم میں یہ راستہ بھی بند ہو جاتا تھا اور فقط ہوائی راستہ باقی رہ جاتا تھا۔ موسم کی خرابی سے تمام تعلقات منقطع ہو جاتے تھے۔ اب شاہراہ ریشم کی تعمیر نے نئے نئے افق پیدا کئے ہیں اور اس علاقے کو ایک غیر معمولی مقام حاصل ہو گیا ہے۔

۱۹۶۸ء میں پی ڈبلیو ڈی نے اسکردو، کھپلو وغیرہ تک دریائے سندھ کے ساتھ ساتھ جیپوں کی آمدورفت کے لئے کچی سڑک بنائی اس طرح پہلی دفعہ اس علاقہ کا پاکستان کے ساتھ سڑک کے ذریعہ رابطہ قائم ہوا۔ سڑک مکمل ہونے کے ابعد اسکردو کے ہوائی اڈہ کو وسیع کیا گیا اور ہوائی سروس باقاعدہ شروع ہوئی اب بھی بعض اوقات موسم کی خرابی کی وجہ سے کئی کئی دن سروس معطل رہتی ہے۔

نومبر ۱۹۷۴ء سے اس ۱۰۵ میل لمبی سڑک (فرنٹیر ورکس آرگنائزیشن) کو (جو تھا اسکردو) پر فرنٹیئر ورکس آرگنائزیشن (FWO) کے ماتحت پاک آرمی انجینئر کور کے جوانوں نے کام شروع کیا ہے۔ اس سڑک کو اب بڑی گاڑیوں کے لئے تیار کرنے کے علاوہ پختہ بھی کیا جائے گا امید ہے یہ منصوبہ ۱۹۸۰ء تک ہر لحاظ سے مکمل ہو جائے گا۔

آبادی

بلتستان کا علاقہ ۹ ہزار مربع میل میں پھیلا ہوا ہے اس کی کل آبادی تقریباً ۲½ لاکھ ہے۔ علاقہ کے لحاظ سے اس کی آبادی بہت ہی کم ہے اور یہ آبادی تقریباً سارے علاقہ میں پھیلی ہوئی ہے۔ یہاں لوگ زیادہ تر چھوٹی چھوٹی بستیوں میں دریائے سندھ کے ساتھ اور ندی نالوں کے کناروں پر آباد ہیں۔ اسکردو اور کھپلو اس علاقہ کے بڑے شہر ہیں بڑے دیہات میں دمبوداس، خرمنگ اور شگر زیادہ مشہور ہیں

موسم

پہاڑی علاقہ ہونے کے باوجود اس علاقہ میں بارشیں بہت ہی کم ہوتی ہے۔ برف باری تقریباً سارے پہاڑوں پر ہوتی ہے اکتوبر تا اپریل سخت برف باری ہوتی ہے اور بعض اونچی چوٹیوں پر تو سارا سال ہی یہ سلسلہ جاری رہتا ہے۔ موسم سرما میں نچلے علاقوں میں سخت خشک سردی پڑتی ہے اور موسم گرما میں دن کے وقت خوب گرمی ہوتی ہے۔ البتہ رات ٹھنڈی ہو جاتی ہے۔

زبان

یہاں صرف تین چار قومیں آباد ہیں۔ بلتی۔ شین

زشگی اور توار۔ شین قوم سب سے معزز سمجھی جاتی ہے۔ شنا اور بلتی دونوں زبانیں بولی جاتی ہیں۔ پورے علاقہ میں اردو عام سمجھی جاتی ہے۔ سکولوں میں ذریعہ تعلیم بھی زبان اردو ہی ہے۔

ذریعہ معاش

اس علاقہ میں تعلیم بہت ہی کم ہے۔ تقریباً نہ ہونے کے برابر ہے۔ صرف اسکردو میں ایک انٹرمیڈیٹ کالج۔ کھپلو اور دمبودس میں ہائی سکول اور باقی جگہوں میں مڈل اور پرائمری سکول موجود ہیں۔ آبادی چونکہ سارے علاقہ میں پھیلی ہوئی ہے اور ذرائع آمدورفت نہ ہونے کے برابر ہیں اس لئے دور کی آبادی کے بچے سکولوں تک نہیں پہنچ سکتے۔ لیکن ابھی تا حال تعلیم کی طرف زیادہ رجحان نہیں ہے اس سارے علاقہ میں نہ تو کوئی کارخانہ ہے اور نہ ہی کوئی کان۔ زیادہ تر لوگ بھیڑ بکریاں پالتے ہیں۔ ناہموار زمین اور بارشوں کی کمی کی وجہ سے بھی کھیتی باڑی بہت کم ہے۔ ندی نالوں کے ساتھ ساتھ جہاں پانی دستیاب ہے۔ چھوٹے چھوٹے کھیت کچھ لوگوں کی ملکیت ہیں۔ قابل کاشت زمین کی کمی کے باعث زمین کی خرید و فروخت بالکل نہیں ہوتی۔ تعلیم کی کمی کی وجہ سے ملازمت پیشہ لوگوں کی تعداد بہت کم ہے اور کارخانے نہ ہونے کی وجہ سے لوگ مزدوری بھی نہیں کر سکتے۔ اس علاقہ میں جب پی۔ ڈبلیو۔ ڈی نے کچھ سڑک بنانی شروع کی تو مزدوروں کی کمی کو پورا کرنے کے لئے حکام بالا کی خدمات سے فائدہ اٹھا کر ان لوگوں کو کام پر لگایا جاتا تھا۔ اب بھی انجینئر کور کا اس سڑک کی تعمیر کے لئے اس علاقہ سے بہت کم مزدور ملے

رہتے ہیں۔ یہاں کے لوگوں نے دو دو جگہوں پر کھیتی باڑی کے لئے کھیت بنائے ہوئے ہیں۔ ایک دریا کے نزدیک نالوں کے آس پاس اور دوسرے اونچے پہاڑوں پر جہاں سے چھوٹے چھوٹے نالے شروع ہو جاتے ہیں اور سردیوں میں وہاں خوب برف باری ہوتی ہے۔ گرمیوں میں جون تا ستمبر یہ لوگ مع بال بچوں اور مویشی کے اونچے کھیتوں میں جا کر بھیڑ بکریاں بھی چراتے ہیں اور کھیتی باڑی بھی کرتے ہیں۔ سردیوں کے موسم میں یہ سارے نچلے مکانوں میں آکر فصلیں لوتے ہیں اور یہیں ۸ ماہ گزارتے ہیں۔

یہاں کی مشہور فصلیں مکی اور جو ہے۔ گندم اور چاول برائے نام ہوتا ہے۔ زیادہ تر غلہ باہر سے آتا ہے اس علاقہ کی زیادہ خوراک پھل ہے۔ خوبانی۔ انگور۔ سیب انار۔ انجیر۔ بادام اور اخروٹ خاصے ہوتے ہیں یہ تمام پھل موسم گرما میں ہوتے ہیں اور خشک کر کے سردیوں میں بھی استعمال کئے جاتے ہیں۔

سبزیوں میں ٹماٹر اور کدو بہت زیادہ ہوتے ہیں ایک قسم کی گوبھی بھی کاشت کی جاتی ہے۔ جس کے پتے یہاں کے لوگ خوب کھاتے ہیں۔ اور پھر اس کے نیچے زمین میں مولی سی بن جاتی ہے جس کا سالن بنا کر سردیوں میں کھاتے ہیں۔ کھیرا۔ تربوز اور سرخ مرچ بھی تھوڑی بہت ہوتی ہے۔ پہاڑی علاقہ اور سردی زیادہ ہونے کی وجہ سے بھینس یہاں بالکل نہیں پالی جاتی البتہ پہاڑی گائیں جو قد میں بہت ہی چھوٹی ہوتی ہیں اور دودھ بھی تھوڑا ہی دیتی ہیں۔

اس علاقہ میں ایک خاص جانور پالا جاتا ہے جسے

"ذو" کہتے ہیں۔ اس سے دشوار گزار اور برفانی علاقوں میں باربرداری کا کام لیا جاتا ہے یہ گرمی برداشت نہیں کر سکتا اور جہاں زیادہ برف ہوتی ہے وہاں رہتا ہے۔ یہ گائے سے پیدا ہوتا ہے اور اس کا نر "یک" کہلاتا ہے اگر دونوں نر مادہ "یک" نسل کے ہوں تو جو یک (نر) پیدا ہوگا وہ بہت بڑا جانور ہوتا ہے۔ تقریباً سانڈ کے برابر ہوتا ہے۔ اس سے باربرداری کے علاوہ کھیت میں ہل چلانے کا کام بھی لیا جاتا ہے۔ برف میں رہنے کی وجہ سے قدرت نے اس کے جسم پر دو دو فٹ جیسے باریک بال پیدا کئے ہیں جو اس کو سخت سردی سے بچاتے ہیں۔

رسم و رواج اور رہن سہن

آبادی چھوٹے چھوٹے گاؤں پر مشتمل ہے ہر گاؤں کا ماحول اور نقشہ ایک جیسا ہے۔ مکانات پتھروں کے بنے ہوتے ہیں۔ بعض بالکل خشک پتھروں سے اور بعض گارے سے۔ سیمنٹ استعمال کرنے کا یہاں رواج نہیں ہے مکانوں کے لئے جگہ تھوڑا نہ ملنے کی وجہ سے ایک مکان کی چھت دوسرے مکان کا صحن ہوتا ہے اسی طرح مکان تین تین چار چار منزلہ معلوم ہوتے ہیں۔ رہائش اور جانوروں کے لئے مکانات اکٹھے ہی بنائے جاتے ہیں۔ مکانوں کی تعمیر میں حفظانِ صحت کا بالکل خیال نہیں رکھا جاتا۔ نہ ہی کوئی کھڑکی اور نہ روشندان۔ ایک کمرے کا صرف ایک ہی دروازہ ہوتا ہے۔ کھانا پکانے کے لئے کوئی علیحدہ یا درمیانی خانہ نہیں ہوتا۔ عموماً ایک گھر کے افراد ایک کمرے میں سوتے ہیں ایک کمرہ میں سب کی اکٹھی رہائش اور دوسرے کمرے میں مال مویشی

باندھتے ہیں۔ ہر مکان کی چھت تقریباً ۸ فٹ بلند ہوتی ہے رہائش کے لئے اور مویشیوں کے لئے انہوں نے دونوں جگہ مکانات بنائے ہوئے ہیں۔ دریا کے نزدیک بھی اور اونچے پہاڑوں پر بھی۔ لوگ انتہائی سادہ زندگی بسر کرتے ہیں۔ اور دورِ جدید کی بہت سی سہولتوں سے ناآشنا ہیں۔ ہر گاؤں کا ایک سربراہ ہوتا ہے۔ جس کو نمبردار یا "جبرڈو" کہتے ہیں۔ وہ گاؤں کے سارے معاملات کا ذمہ دار ہوتا ہے عموماً چھوٹے موٹے جھگڑوں کا فیصلہ بھی وہ خود ہی کر دیتا ہے اس کی امداد کے لئے گاؤں کے معزز اور سرکردہ آدمیوں کی پنچائت ہوتی ہے۔

جدید تہذیب سے الگ تھلگ یہ معاشرہ جرائم سے یکسر پاک ہے۔ قتل، اغوا، چوری اور ڈاکہ زنی کی وارداتیں

نہ ہونے کے برابر ہیں۔ غربت بہت زیادہ ہونے کی وجہ سے اس بیسویں صدی کے ترقی یافتہ دور میں بعض لوگوں کو دنیا کی آسائشوں کا علم تک نہیں۔ بعض لوگ انہی پہاڑوں میں پیدا ہوتے ہیں اور ادھر ہی بکریاں چراتے زندگی گزار دیتے ہیں ابھی تک بعض لوگ بکری کی کھال کو پاؤں اور پنڈلیوں پر لپیٹ کر اور اسے اچھی طرح باندھ کر جوتے کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ بس ایک دفعہ اس قسم کی جوتی پہن لی پھر جب تک وہ چمڑا پتھروں سے گھس گھس کر پھٹے گا نہیں خود بخود اسے کھولنے کی تکلیف گوارا نہ کریں گے۔

شہری آبادی سے دور اور غریب طبقہ میں لکڑی اور خشک خالی کدو کے برتن اکثر استعمال ہوتے ہیں۔ لمبی گردن والے کدو ہی یہاں ہوتے ہیں ان کا گودا خالی کر کے اس کے برتن دودھ دوہنے۔ دودھ۔ لسی اور پانی پینے۔ گھی وغیرہ اور بعض دوسری گھریلو ضروریات کے لئے استعمال کرتے ہیں لکڑی کی ٹرے کی شکل کا ایک برتن جس کے بعض دفعہ دو حصے بھی بنائے جاتے ہیں۔ آٹا گوندھنے کے لئے استعمال ہوتا ہے ایک حصہ میں مکی کا آٹا اور دوسرے میں گندم یا جو کا۔ لوگ دودھ دوہ کر اسے بکری کی کھال کے مشکیزہ میں (جس کو یہ شنا زبان میں تھرینی اور منی کہتے ہیں) تین چار دن کا دودھ اکٹھا کر لیا جاتا ہے۔ جب تھرینی دودھ سے آدھی بھر جاتی ہے تو عورتیں اس میں منہ سے ہوا بھر کر اور اس کا منہ اچھی طرح باندھ دیتی ہیں۔ پھر ہموار یا تھوڑی اونچی جگہ پر گھٹنوں کے بل بیٹھ کر تھرینی کو اپنے گھٹنوں پر اس طرح رکھتی ہیں کہ اس کے دونوں سرے ان کے دونوں ہاتھوں میں ہوتے ہیں۔ پھر باری باری گھٹنوں کو اوپر نیچے کرتی رہتی

ہیں اور جو ہوا اور دودھ (دہی) اس تھرینی کے بیچ ملتا رہتا ہے یہ عمل دو تین گھنٹے تک جاری رہتا ہے۔ پھر اس مشکیزہ کو باہر سے خوب مکے مارے جاتے ہیں تاکہ جو مکھن اس کے چمڑے کے ساتھ لگا ہوا ہے وہ بھی الگ ہو جائے۔ اس سارے عمل کو مکمل کر کے اس کا منہ کھول کر اس میں سے مکھن علیحدہ کر لیتی ہیں۔ دودھ چونکہ کئی دنوں کا اکٹھا ہی جمایا جاتا ہے اس لئے اس مکھن اور لسی میں سے ایک خاص قسم کی بو آتی ہے۔

اس علاقہ میں خمیری روٹی زیادہ پسند کی جاتی ہے خواہ مکی کی ہو یا جو اور گندم کی۔ روٹی کی موٹائی تقریباً ایک انچ تک ہوتی ہے اور کافی میٹھی اور سخت ہوتی ہے اس کو لسی۔ دودھ اور کچے ٹماٹروں کے ساتھ بڑے شوق سے کھاتے ہیں۔ سالن بہت کم استعمال میں آتا ہے۔

سادہ ماحول اور سادہ غذا کھانے سے ان لوگوں کی صحت بڑی اچھی ہے۔ مردوں کی نسبت عورتیں زیادہ صحت مند اور خوب صورت ہیں۔ عورتوں کو مردوں سے زیادہ کام کرنا پڑتا ہے۔ بکریاں چرانا۔ گھاس کاٹنا۔ کھیتوں کو پانی دینا۔ نیز فصلوں کی کٹائی میں عورت برابر کام کرتی ہے۔ یہ لوگ شاذ و نادر ہی بیمار ہوتے ہیں۔ البتہ ندی نالوں اور دریاؤں کا پانی استعمال کرنے کی وجہ سے گلے کی بیماری (جس میں گلا متورم ہو جاتا ہے) عام دیکھنے میں آتی ہے۔

شادی عموماً چھوٹی عمر میں ہی کر دیتے ہیں۔ شادی براہ ان کی مجلسی زندگی کا اہم عنصر ہے۔ شادی عموماً موسم سرما میں کرتے ہیں تاکہ گرمیوں میں کھیتی باڑی کا کام کسی

تعطل کے بغیر ہوتا ہے۔ شادی پر کوئی باجے وغیرہ نہیں بجتے۔ ڈھول یا دف خوب بجائی جاتی ہے۔ عورتیں اور مرد لوک ناچ میں حصہ لیتے ہیں۔ سونا زیورات کے طور پر اس علاقہ میں بالکل استعمال نہیں ہوتا چاندی کا تھوڑا بہت رواج ہے۔ شادی پر اور بھی کسی قسم کی فضول خرچی نہیں کی جاتی۔ پردہ کا یہاں رواج نہیں ہے۔ برقعہ کا تو اس علاقہ میں نام و نشان نہیں اور نہ ہی پردہ کے طور پر مکان کے آگے چاردیواری بنائی جاتی ہے۔ پولو ان کی مجلسی زندگی کا دوسرا اہم عنصر ہے اس کے لئے باقاعدہ بڑے شوق سے گھوڑے پالے جاتے ہیں اور پھر مختلف تہواروں پر مقابلے ہوتے ہیں جن میں علاقہ بھر کے لوگ حصہ لیتے ہیں۔

جنگل اور جنگلی جانور

پہاڑ عموماً خشک ہیں جہاں کثرت سے برف باری ہوتی ہے بعض پہاڑوں پر چیڑ کے کچھ جنگل ہیں۔ ندی نالوں کے ساتھ ساتھ سفیدے وغیرہ اور پھلدار درخت لگائے جاتے ہیں۔ پہاڑوں پر مختلف قسم کی جڑی بوٹیاں اور سفیدزیرہ کثرت سے ہوتا ہے۔

جنگلی جانوروں میں مارخور بہت ہیں۔ برفانی ریچھ، لومڑ اور کہیں کہیں چیتا اور شیر بھی پایا جاتا ہے۔ چھوٹے پرندوں میں چکور، جنگلی کبوتر اور مختلف قسم کی چڑیاں ہوتی ہیں بڑے کوے بہت کم پائے جاتے ہیں۔

سیاسی زندگی

انگریزوں نے برصغیر پر ایک سو برس تک حکومت کی۔ لیکن یہاں کے شیر دل باشندوں کو زیر نہ کر سکے اسی طرح ڈوگرہ راج تقریباً ۹۰ سال قائم رہا مگر بے پناہ ظلم و تشدد بھی ان لوگوں کے جذبۂ حریت کو کچل نہ سکا۔

خوش قسمتی سے یہ علاقہ ریاست جموں و کشمیر میں شامل رہا ہے۔ مختلف وقتوں میں یہاں مختلف حکمران آتے رہے۔ ۱۸۴۶ء کے معاہدۂ امرتسر کی رو سے انگریزوں نے کشمیر کی وادی پچھتر لاکھ روپے میں مہاراجہ گلاب سنگھ کے ہاتھ فروخت کر دی لیکن اقتدارِ اعلیٰ اپنے ہی ہاتھ میں رکھا پھر گلگت میں ایجنسی قائم ہوئی اور یہاں انگریز ریذیڈنٹ رہنے لگا۔ اگست ۱۹۴۷ء میں دوسری ریاستوں کے ساتھ کئے ہوئے معاہدے منسوخ ہوئے تو یہاں کا نظم و نسق بھی مہاراجہ کشمیر کو سونپ دیا گیا۔ قیام پاکستان کے بعد کشمیری حریت پسندوں نے ڈوگرہ راج کے خلاف تحریک آزادی شروع کی اور ۲۴ اکتوبر ۱۹۴۷ء کو آزاد کشمیر کے نام سے اپنی حکومت قائم کر لی۔ گلگت کے عوام نے بھی آزادی کے چراغ جلائے۔ ڈوگرہ فوج کے مسلمان افسروں اور سپاہیوں نے بڑے جوش و خروش کے ساتھ اس تحریک کا ساتھ دیا۔ ڈوگرہ راج نے اس کو دبانے کی بہت کوشش کی لیکن ناکام رہے۔ ان لوگوں نے مختلف جگہوں پر ہلالی پرچم لہرا دیئے اور حکومت پاکستان کے ساتھ الحاق کا اعلان کر دیا اور پاکستانی حکومت نے یہاں ریذیڈنٹ بھیج دیا۔ سیاسی لحاظ سے یہ علاقہ پسماندہ ہے۔ پریس ہے نہ کوئی اخبار شائع ہوتا ہے نہ کسی سیاسی جماعت کا وجود۔ اب حکومت پاکستان نے اس کی ترقی کے لئے بہت کچھ کیا ہے اور کئی منصوبے زیر تکمیل ہیں۔ پہلے اسکردو بلتستان کا صدر مقام تھا اب اس علاقہ کو دو ضلعوں میں تقسیم کر دیا گیا ہے ایک اسکردو جس کا صدر مقام بھی اسکردو ہی ہے اور دوسرا "چھپے منگ" جس کا صدر مقام کھپلو ہے۔ ان لوگوں کو اب حق رائے دہی دیا گیا ہے تاکہ یہ لوگ انتظامی امور میں حصہ لے سکیں۔ مختلف شہروں اور قصبوں میں نیشنل بنک آف پاکستان کی شاخیں، سکول، ہسپتال، ڈسپنسریاں، پکی سڑکیں، پبلک بلڈنگیں بن گئی ہیں۔ مختلف معدنیات

ترکی کہانی

وطن سے دور

تحریر جناب عمر سیف الدین

ترجمہ جناب محمد جلال شمس

بحیرۂ روم کے کنارے وہ ایک چھوٹی سی بستی تھی —— ایک پہاڑی کے دامن میں پھلوں اور پھولوں لدی پھندی —— لمبی شاخوں والے بادام کے درختوں کے گھر سے ساحل کی طرف جانے والی ٹیڑھی میڑھی پگڈنڈی پر محیط تھے —— موسم بہار کی مسحور کن ہواؤں سے مست سمندری بگلوں کی آوازیں فضا میں گونج رہی تھیں۔ بادام کے باغیچہ سے ملحق بہت بڑا باغ تھا۔ سفید پتھروں سے بنی ہوئی چھوٹی سی دیوار کے عقب میں زیتون کے درخت، وادی کے آخر تک پھیلے ہوئے تھے۔ باغ کے وسط میں ویران سی جھونپڑی سے ایک بوڑھا باہر نکلا۔ اس کے سر اور داڑھی کے بال چاندی کی طرح سفید تھے۔ اس نے یوں انگڑائی لی گویا وہ اپنی جھکی ہوئی کمر سیدھی کر رہا ہو۔ اس کے ہاتھ پاؤں کانپ رہے تھے۔ اس نے ٹکٹکی باندھ کر آسمان کی طرح وسیع اور خاموش سمندر کی طرف دیکھا —— "اللہ خیر کرے!" اس کے منہ سے بے ساختہ نکلا —— پھر وہ دیوار کے ساتھ لگے ہوئے پتھروں پر بیٹھ گیا۔ اس نے اپنا سر دونوں ہاتھوں سے تھام لیا۔ اس کی کمر پر ایک پھٹا پرانا بوریا تھا۔ اس کے ننگے پاؤں گرد سے اَٹے ہوئے تھے۔ اس کے ضعیف بازو ٹہنیوں کی مانند تھے۔ بوڑھے نے دوبارہ سر اوپر اٹھایا۔ آسمان اور سمندر کے ملنے والی جگہ پیدا ہونے والی دھند کی لکیر کی طرف غور سے دیکھا مگر اسے کوئی چیز نظر نہ آئی۔

یہ بوڑھا ایک ترکی ملاح تھا جسے دشمن کے ہاتھوں قید ہوئے چالیس برس سے زیادہ ہو چکے تھے۔ تیس سال کی عمر میں جب وہ طاقتور اور کڑیل جوان تھا۔ جزیرۂ مالٹا کے بحری قزاقوں کے ہاتھوں قید ہو گیا۔ بیس سال تک اس نے ان کی فوجی کشتی میں چپو چلانے کا کام انجام دیا۔ بیس سال ایک جہاز کے مرطوب تہہ خانے میں پابندِ سلاسل ہو کر گزار دیے۔ ان بیس سالوں کی گرمیاں، سردیاں، ہوائیں، آندھیاں اور دھوپ اس کا مضبوط جسم کمزور نہ کر سکیں۔ زنجیریں باندھی جاتیں۔ کچھ عرصہ بعد یہ زنجیریں گھس کر ٹوٹ جاتیں اور ان کی جگہ نئی زنجیریں بندھ جاتیں مگر اس کے صبح و مسا میں کوئی تغیر نہ آیا۔ اور نہ اس کی فولادی ٹانگوں پر کچھ اثر ہوا۔ ہاں اسے غم تھا تو صرف یہ کہ وہ وضو نہیں کر سکتا۔ وہ ہمیشہ سورج کے طلوع ہونے کی سمت بائیں جانب رکھ کر اندازے سے اپنی آنکھیں قبلہ رُخ کرتے ہوئے اشاروں کے ساتھ خفیہ خفیہ پانچ وقت نماز ادا کرتا رہا۔ پچاسی سال کی عمر میں قزاقوں نے اسے یہ کہہ کر ایک کسان کے ہاتھ فروخت کر دیا کہ

اب وہ اچھی طرح چل پھر نہیں سکتا۔ وہ دس سال تک روکھی سوکھی کھا کر کسان کے پاس کام کرتا رہا۔ وہ اللہ کا شکر ادا کرتا کہ اب اس کے پاؤں میں زنجیریں نہیں تھیں۔ اب وہ وضو کر سکتا تھا۔ قبلہ رُو ہو کر اُن آیات کے ساتھ نماز ادا کر سکتا تھا جنہیں اس نے ابھی تک فراموش نہیں کیا تھا۔ اس کی ایک ہی آرزو تھی کہ وہ ایک بار اپنے وطن اور اپنے شہر ـــــ ابیدراعتہ ـــ پہنچ جائے۔ تیس سال میں وہ ایک بار بھی ناامید نہیں ہوا تھا۔ بلکہ کہا کرتا تھا کہ ـ ـــ جیسے مرنے کے بعد زندہ ہونے پر ایمان رکھتا ہوں ویسے ہی میرا ایمان ہے کہ تیس سال کی قید کے بعد یقیناً ایک روز اپنے وطن واپس لوٹوں گا ـــــ" وہ ہر روز یہی خواب دیکھتا کہ ایک سبز بیڑا اس کے ملک سے اسے لینے آیا ہے ـــــ ہر صبح اس کی پہلی نظر سمندر کی طرف اُٹھتی مگر اسے اپنے خواب کی تعبیر نظر نہ آتی ـــــ یہ بوڑھا ایک مشہور اور معزز ترک ملاح ـــ

کر امیشی تھا صرف بیس سال کی عمر میں اس نے وہ نہ طارق عبور کیا۔ قطب شمالی کی طرف ہفتوں۔ مہینوں ساحل دیکھے بغیر اپنے چھوٹے سے جہاز میں تن تنہا سفر کرتا رہا۔ ان ایام میں پورے ملک میں اس کا نام زبان زد خلائق تھا حتیٰ کہ بادشاہ نے بھی اسے اپنے محل میں طلب کر کے اس سیاحت کا حال سنا تھا۔ کیونکہ اس نے اپنے ملک کے لوگوں کے خیال کے مطابق ان دیار کی سیر کی تھی جہاں حضرت خضر علیہ السلام گئے تھے۔ اس نے ایسے ایسے سمندروں میں سفر کیا تھا جہاں پہاڑوں اور جزیروں سے گزرنے والے بڑے بڑے برف کے تودے تیرتے پھرتے تھے ــــــ وہ ایک اور ہی دنیا تھی۔ وہاں چھ ماہ کا دن اور چھ ماہ کی رات ہوتی تھی۔ اس کی بیوی بھی اسی ملک کی رہنے والی تھی جہاں کا ایک سال ایک بہت بڑے دن اور ایک بہت بڑی رات پر مشتمل ہوتا تھا۔ جہاز سونے، چاندی، جواہرات اور الماس

سے پکڑ کر کسے وطن واپس آتے ہوئے سمندر کے درمیان ہی اس نے شادی کی تھی اس کا بیٹا "طرگوت" ـــــ "چناق قلعے" سے گزرتے ہوئے پیدا ہوا تھا۔ اب یقیناً اسے پینتالیس سال کی عمر کا ہونا چاہیئے نجانے وہ زندہ بھی ہو گا یا نہیں۔ اُس کی برف سے زیادہ سفید رنگ بیوی بھی خدا جانے زندہ ہو گی یا نہیں ـــــ ! چالیس سال ہو گئے مگر دارالسلطنت استنبول کے میناروں والے افق کی تصویر اس کے ذہن سے محو نہیں ہوتی تھی ـــــ کبھی کبھی وہ سوچا کرتا ـــــ "اگر میرے پاس ایک جہاز ہو تو میں آنکھیں بند کر کے "توپ قاپی" کے سامنے کی طرف لنگر اٹھا دوں ـــــ" ساٹھ سال سے زائد عمر کا ہونے پر اس کے مالک نے اسے کہنے کو تو آزاد کر دیا تھا لیکن یہ آزاد کرنا نہیں بلکہ تھکا پیاسا، پریشان حال گلی میں پھینک دینا تھا ـــــ بوڑھے قیدی نے اس باغ کے اندر واقع یہ ویران جھونپڑی تلاش کی اور اس کے اندر داخل ہو گیا کسی نے کچھ نہ کہا۔ کبھی کبھی وہ قصبے کی طرف جاتا اور اس کے بڑھاپے پر ترس کھا کر کوئی اسے روٹی کا ٹکڑا دے دیتا تو اُسے لیکر واپس آ جاتا ـــــ مزید دس سال گزر گئے۔ اب اس میں بالکل طاقت نہ رہی تھی۔ باغ کا مالک بھی اسے پسند نہیں کرتا تھا۔ وہ جائے تو کہاں جائے؟ ـــــ حالات کی سنگینی کے باوجود ـــــ وہ ناامید نہیں تھا۔ امید کی شمع روشن تھی۔ چالیس سال پرانا خواب یعنی ترک بحری جہازوں کی آمد کا انتظار ـــــ اس کی زندگی کا نقطۂ مرکزی تھا۔ اس نے ہڈیوں کا پنجر بن جانے والے اپنے کمزور ہاتھوں کے ساتھ اپنی آنکھیں ملیں اور ایک بار پھر سمندر اور آسمان کے ملنے والی لکیر کی طرف دیکھا ـــــ ہاں وہ یقیناً آنے والے ہیں۔ اسے اس بات کا یقین تھا ـــــ

"چالیس سال سے نظر آنے والا خواب کبھی غلط نہیں ہو سکتا" اس نے کہا۔ وہ جھونپڑی کی دیوار کے پاس آنکھیں بند کر کے لیٹ گیا۔ موسم بہار چاروں طرف امید کی کرنیں بکھیر رہا تھا وہ بگلوں کی مست آوازیں سننے میں محو ہو گیا اسے یہ آوازیں بہت شیریں محسوس ہو رہی تھیں ـــــ جیسے کہہ رہی ہوں۔ "وہ آ رہے ہیں ـــــ وہ آ رہے ہیں ـــــ تجھے بچانے کے لئے ـــــ وہ آ رہے ہیں ـــــ !" دیوار سے نکلنے والی چھپکلیاں اس کے اوپر سے گزرتی ہوئی گزر رہی تھیں مگر وہ دنیا و مافیہا سے بے خبر ـــــ خواب میں ایک بہت بڑا ترک بحری بیڑہ ساحل سمندر پر اترتے ہوئے دیکھ رہا تھا قصبہ کی طرف جانے والے راستے پر بہت سے سپاہی متعین کئے جا رہے تھے اس نے سرخ فوجی پرچم دور سے پہچان لیا تھا۔ تلواریں اور ڈھالیں سورج کی روشنی میں چمک رہی تھیں ـــــ "ہمارے سپاہی ـــــ ہمارے سپاہی ـــــ" کہتے ہوئے وہ بیدار ہوا ـــــ وہ اٹھ بیٹھا۔ اس کے اوپر پھرنے والی چھپکلیاں بھاگ گئیں۔ اس نے ساحل کی طرف دیکھا ـــــ قلعہ کے سامنے ایک بحری بیڑہ کھڑا تھا اس نے جنگی جہازوں اور کشتیوں کے جھنڈوں کی بناوٹ پر غور کیا اس کا رنگ زرد ہو گیا۔ اس نے آنکھیں جھپکائیں۔ اس کے دل کی حرکت تیز ہو گئی۔ اس نے اپنا ہاتھ سینے پر رکھا۔ یہ ترک جہاز ہی تھے جو لمحہ بہ لمحہ ساحل کے قریب آتے جا رہے تھے۔ اسے اپنی آنکھوں پر اعتبار نہ آیا ـــــ "کیا میں ابھی تک خواب دیکھ رہا ہوں ـــــ ؟" اسے شک گزرا کہ کیا جاگتے ہوئے بھی خواب دیکھا جا سکتا ہے؟ ذرا یقین کرنے کے لئے اپنا ہاتھ دانتوں سے کاٹا۔ زمین سے ایک ایک بیتے

اٹھا کر اپنے ماتھے پر مارا۔ ہاں اس نے محسوس کیا وہ جاگ رہا تھا
وہ خواب نہیں دیکھ رہا تھا۔ جب وہ سو رہا تھا تو اس دوران
یہ بحری بیڑہ اچانک ظاہر ہو گیا تھا۔ خوشی اور حیرت کے ساتھ
اُس نے اپنے ٹخنوں کے جوڑوں کو چھوا۔ کنارے پر آنے والے
فوجیوں کے دستے سُرخ جھنڈے تھامے ہوئے قلعے کی طرف بڑھ
رہے تھے۔ چالیس سالہ انتظار کو اُس نے بڑے حوصلہ اور عزم
کے ساتھ برداشت کیا تھا لیکن اب اس کی ہڈیاں چٹخنے لگیں۔ اس نے
بادام کے چھلکوں سے ڈھکے ہوئے راستے پر چلنا شروع کیا وہ
ساحل کی طرف دوڑا ——— خشکی پر نکل آنے والے سپاہیوں نے
سفید داڑھی والے بوڑھے کو دیکھ کر چلاتے ہوئے کہا "ٹھہر جا!"
مگر بوڑھا نہیں رکا ——— "میں ترک نہیں ہوں میرے بیٹو!
میں ترک نہیں ہوں ——— !"

سپاہیوں نے اس کے قریب آنے کا انتظار کیا۔ بوڑھے
نے ترکوں کے قریب پہنچ کر سب سے آگے کھڑے سپاہی کو چومنا
شروع کر دیا۔ اس کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے اور وہ والہانہ
انداز میں اس سپاہی سے لپٹا ہوا تھا۔ جب اس کا ہیجان ذرا کم
ہوا تو انہوں نے پوچھا ——— "آپ کب سے یہاں قید ہیں؟"

"چالیس سال سے ——— !"

"آپ کہاں کے رہنے والے ہیں؟"

"ایدرامت کا"

"آپ کا نام ——— ؟"

"کراہمیش ——— !"

"آپ کپتان تھے ——— ؟"

"ہاں ——— !"

بوڑھے کے ارد گرد جمع ہونے والے سپاہیوں میں ہلچل پیدا
ہوئی اور پھر ایک شور بلند ہوا ——— "صاحب کو مطلع کرو!"

صاحب کو خبر دو ——— !" وہ بوڑھے کے بازوؤں سے
چمٹ گئے۔ اُسے اٹھا کر ساحل سمندر کی طرف لے گئے اور
ایک تخت پر بٹھا کر ایک بڑے جنگی جہاز کے اندر لے گئے۔
سپاہیوں میں سے ہر ایک کو اس کے مرتبہ کا علم تھا۔ وہ
عرشہ جہاز پر تھوڑی دیر کے لئے رکا ——— چالیس سال
کی حسرت کے بعد اپنے ہموطنوں کی دید سے وہ حیران اور پاگل
سا ہوا جا رہا تھا۔ انہوں نے اسے عمدہ لباس پہنایا۔ اس
کے کندھوں پہ چادرِ اعزاز ڈالی اور سر پر ترکی ٹوپی پہنائی۔
"تشریف لایئے صاحب کے پاس ——— !"
انہوں نے اسے کہا ——— وہ ان سپاہیوں کے ساتھ
جہاز کی پشت کی طرف چلا ——— وہ اسے سیاہ مونچھوں
والے خوبصورت کپڑوں اور فولادی زرہ پہنے ہوئے ایک شخص
کے سامنے لے گئے ———
"کیا آپ کپتان کرامیتش ہیں ——— ؟" اس نے پوچھا
"ہاں ——— !" بوڑھے نے جواب دیا
"حضرت خضر علیہ السلام جن راستوں پر سے گزرے
تھے اُن سے گزرنے والے آپ ہی ہیں ؟"
"ہاں میں ہی ہوں !"
"کیا آپ صحیح کہہ رہے ہیں ——— ؟"
"مجھے جھوٹ کہنے کی کیا ضرورت ہے ؟"
"اچھا ذرا اپنا دایاں بازو دکھایئے ——— !"
بوڑھے نے اپنا بازو باہر نکالا اور صاحب کے سامنے پھیلا
دیا۔ اس کے بازو پر ہلال کی شکل کے زخم کا نشان تھا۔ یہ
زخم اُسے اس جزیرہ میں لگا تھا جہاں کی رات چھ ماہ کی
ہوتی ہے۔ فوجی افسر اس کے بازوؤں سے لپٹ گیا اور
بے اختیار چومنا شروع کر دیا ———
"میں آپ کا بیٹا ہوں ——— !" اس نے کہا
"——— طرگت ——— ؟"
"جی ہاں ——— ! طرگت !!"
بوڑھا خوشی سے پاگل ہوا جا رہا تھا۔ اس کے بیٹے نے اسے
بتایا ——— "میں خشکی پر جنگ کرنے کے لئے جا رہا
ہوں۔ آپ جہاز میں آرام فرمائیں ——— !"
بوڑھے بہادر نے یہ بات قبول نہ کی ——— "نہیں!
اس نے کہا ——— "میں بھی تمہارے ساتھ جاؤں گا۔"
"آپ بہت بوڑھے ہیں ابا جان !"
"مگر میرا دل جوان ہے ——— !"
"آپ آرام کیجئے ——— !"
"چالیس سال سے میرے دل میں دشمن سے لڑنے کی
حسرت ہے ——— " بوڑھے نے کہا۔
"اگر آپ مارے گئے تو وطن کی حسرت دل میں لئے
ہی دنیا سے رخصت ہو جائیں گے ——— !" یہ کہہ کر طرگت نے
اپنے بوڑھے والد کو جہاز میں چھوڑ دیا اور چلا گیا لیکن بوڑھا
کرامیتش اس وقت تک ایک چیتے کی مانند پھر تیار ہو
گیا تھا۔ وہ اپنے بیٹے کو تو نہیں پا رہا تھا ——— اس
نے تلوار اور ڈھال طلب کی ——— اور پھر ———
جہاز کے عرشے پر لہرانے والے جھنڈے کی طرف اشارہ کرتے
ہوئے اس نے کہا ——— "اگر میں شہید ہو جاؤں تو یہ قومی
پرچم میرے جسم پر لپیٹ دینا ——— کیا وطن سرخ
جھنڈے کے لہرانے کی جگہ کا نام نہیں ——— ؟"
اور اس کی [illegible] لوگوں کے نعروں سے گونج اٹھا !!

مجلس شوریٰ

سالانہ اجتماع مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ کا ایک اہم پروگرام

مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ کے سالانہ اجتماع منعقدہ ۱۸ اپریل بروز اتوار کا ایک اہم پروگرام مجلس شوریٰ ہوگا۔

قائدین اضلاع اور قائدین مقامی سے درخواست ہے کہ حسب ذیل قواعد کے مطابق ہر مجلس سے نمائندگان اجتماع میں شمولیت فرمائیں!

(۱) ایسی مجالس جہاں خدام کی تعداد بیس یا بیس سے کم ہے وہاں سے صرف ایک نمائندہ قائد مجلس ہوں گے۔ ایسی مجالس میں انتخاب کی ضرورت نہیں (۲) بیس سے زائد خدام والی مجالس میں انتخاب کی ضرورت ہوگی۔ ہر بیس یا بیس کی کسر پر ایک نمائندہ ہوگا۔ قائد مجلس اپنے عہدہ کے لحاظ سے نمائندہ ہوں گے جبکہ باقی نمائندگان کا انتخاب ہوگا۔ (۳) انتخاب اجلاس عام میں ہوگا۔ (۴) بقایا دار خادم شوریٰ کا ممبر نہیں ہو سکے گا۔

قائدین اضلاع اور قائدین مقامی کوشش فرمائیں کہ ہر مجلس سے نمائندگان کی اطلاع مجلس مشاورت (۲۶، ۲۷، ۲۸ مارچ) تک مرکز میں پہنچا دیں۔

(معتمد مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ)

شیزان
گھر بھر کی خوشی
اور صحت کا
ضامن ہے
شیزان
انٹرنیشنل لمیٹڈ
بند شدہ

مجلس عاملہ - مجلس خدام الاحمدیہ اوکاڑہ

(اس مجلس نے ''خالد،، کی توسیع اشاعت اور اشتہارات کے حصول کے لئے قابل قدر مساعی سرانجام دی ہیں فجزاھم اللہ تعالی)
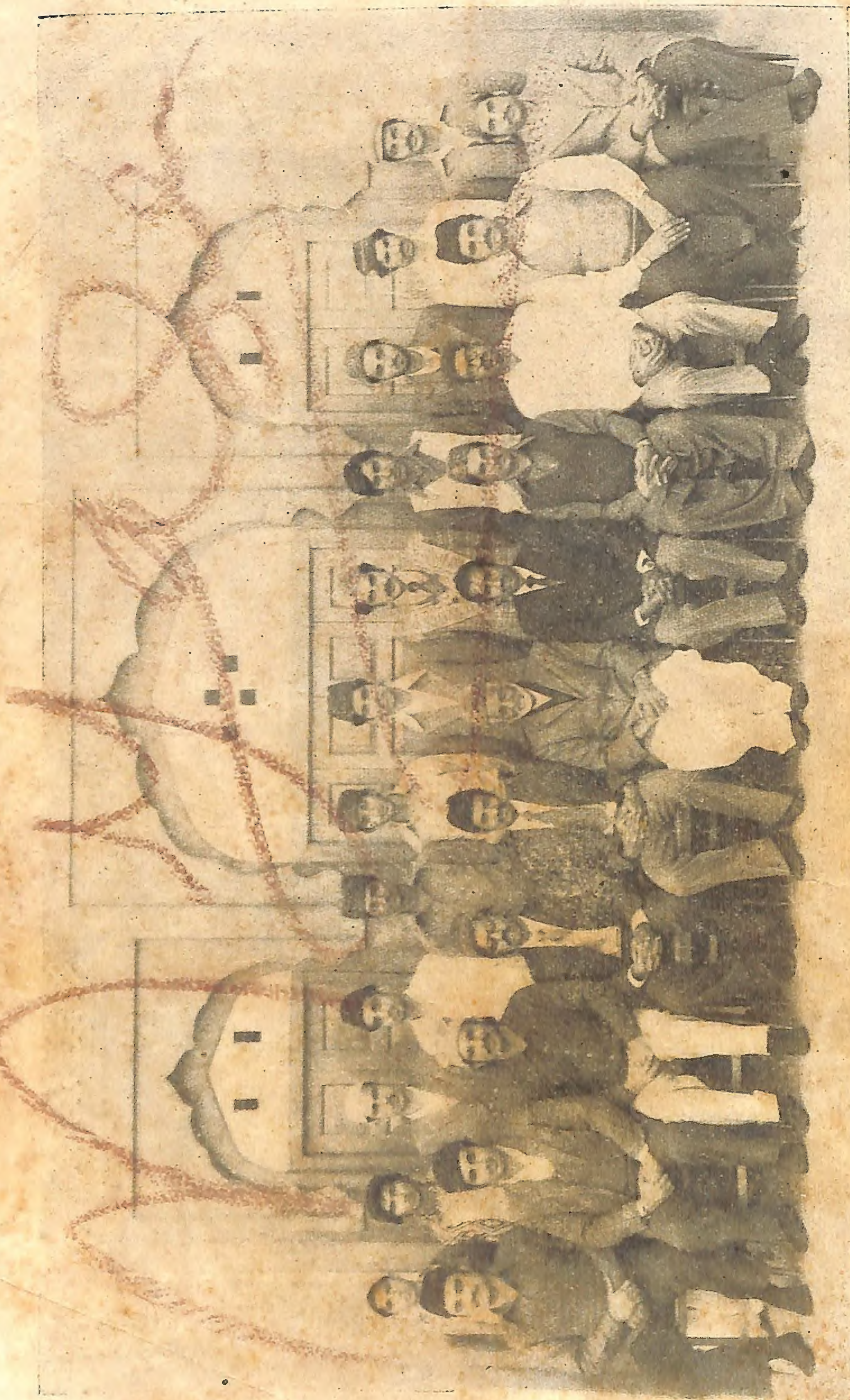
کھڑے ہوئے دائیں سے بائیں - شیخ اشفاق احمد ، شیخ افتخار احمد، شیخ ظہیر احمد، شیخ منیر احمد، قریشی عبدالباسط قیصر ، شیخ طاہر احمد، شیخ محمد صفدر ، شیخ وحید احمد ، شیخ محمد اشرف ، شیخ سلیم احمد ، مولود احمد ، آفتاب احمد

بیٹھے ہوئے دائیں سے بائیں - قریشی ناصر احمد ، شیخ ناصر احمد، شیخ فاضل محمود ، چوھدری امان اللہ ، ڈاکٹر محمد اقبال ، چوھدری

MONTHLY **KHALID** RABWAH

Editor : NASEEM MAHDI

Regd. No. L 5830 AMAN 1355 H.S. MARCH 1976

کریسنٹ کلاتھ ہاؤس

فون نمبر 4360 صدر بازار اوکاڑہ

★ بنارسی سوٹ ★ کمبل ★ گرم سوٹنگ

★ وولن شالیں ★ ساڑھیاں ★ عروسی جوڑے

Title printed at the Nusrat Art Press, Rabwah.